ہمدرد نونہال
ستمبر ۱۹۵۹ء

ہاتھی بیٹھ نہ پایا بس میں

فراز پاشا

شہر کی گرمی سے اُکتا کر — گھر والوں کی آنکھ بچا کر
چھوڑ کے اپنے یار اور ساتھی — سیر کو بھاگا ننھا ہاتھی
جھومتا، گاتا، رُکتا، چلتا — شہر سے نکلا، دور، ٹہلتا
جی میں تھا دریا میں نہائے — اُچھلے، کُودے، شور مچائے
موج میں ہو دریا کی روانی — خوب اُچھالے، سُونڈ سے پانی
آخر دِن کے ڈھلتے ڈھلتے — دریا آیا، چلتے چلتے
جی بھر کر پانی سے کھیلا — یہ ننھا مُنّا البیلا!!!
دریا سے جب باہر آیا۔ — پھیل رہا تھا شام کا سایا
سوچا جلدی پہنچے گھر میں — رات ہوئی جاتی ہے سفر میں
دیر ہوئی تو خیر نہیں ہے — آفت ہے یہ سیر نہیں ہے

ڈوبا ہوا تھا سوچ میں گہری — بس اتنے میں آکر ٹھہری
اک دم جیسے چونک کے جاگا — ننھا ہاتھی جھٹ پٹ بھاگا
اتنے زور میں دوڑا کس کے — آپہنچا نزدیک وہ بس کے
دونوں اگلے پاؤں اُٹھا کر — چاہا پہنچے بس کے اندر
خوف سے کنڈکٹر چلّایا — ہاتھی آیا، ہاتھی آیا!!!
دیکھ کے ہاتھی، ڈر کے مارے — چیخ پڑے بس والے سارے
کیا اپنے، اور کیا بیگانے — تھے نہ کسی کے ہوش ٹھکانے
سب نے کی اک ساتھ جو جلدی — پوری تیزی سے بس چلدی
ہاتھی بیٹھ نہ پایا بس میں — کیسی ہیں انسان کی رسمیں

وقت پڑے تو کون ہے ساتھی
اُس دِن سے ناراض ہے ہاتھی

ستمبر ۱۹۵۹ء

جلد ۷ نمبر ۹

ہمدردِ نونہال کراچی

ایڈیٹر: مسعود احمد برکاتی
مدیرۂ اعزازی: ثریا ہمدرد

ایک پرچہ: چار آنے
سالانہ: ڈھائی روپے

حکیم حافظ محمد یحییٰ پرنٹر، پبلشر نے ہمدرد ٹرسٹ کے لیے مشہور آفسٹ لیتھو پریس میں چھپوا کر دفتر ہمدرد نونہال، ہمدرد دواخانہ ناظم آباد کراچی سے شائع کیا

سویرا
حامد اللہ افسر میرٹھی
جاتا رہا اندھیرا
لو ہو گیا سویرا
سورج نے جگمگا کر
کلیوں کو گدگدا کر
پتوں میں چھپ چھپا کر
سونے کا رنگ پھیرا
لو ہو گیا سویرا
ہے لطف گھر سے باہر
آؤ چلیں نکل کر
لہرا رہا ہے سر پر
اک نور کا پھریرا
لو ہو گیا سویرا

(ہر دل عزیز روایتیں کبھی کبھی تاریخ کو چشم پوشی پر مجبور کر دیتی ہیں)

کردار:

جلال الدین اکبر بادشاہ ۔ بیربل ۔ شاہی خدمت گار ۔ بھولا پنواڑی۔

پہلا منظر

(شاہی قلعہ کے قریب ایک پنواڑی کی دُکان پر ایک غریب آدمی بیٹھا ہوا ہے جس کا نام بیربل ہے، یہ آدمی صورت سے بہت سمجھ دار معلوم ہوتا ہے، ایک شاہی خدمت گار پنواڑی کی دُکان پر آتا ہے)

شاہی خدمت گار:۔ بھیّا بھولا! ایک سیر چونا تول دو۔

پنواڑی: اس وقت ایک سیر چونا تو شاید دکان میں نہ ہو، کچھ دیر انتظار کرو منگا دوں گا۔

شاہی خدمت گار:۔ منگانا ہے تو جلد منگاؤ۔ میں زیادہ انتظار نہیں کر سکتا۔

پنواڑی:۔ کچھ دیر تو لگے ہی گی، جلدی ہو تو جتنا موجود ہے اتنا لے جاؤ، باقی پھر لے جانا۔

شاہی خدمت گار:۔ نہیں مجھے پورا سیر بھر چونا چاہیے، ایک رتی بھی کم ہوا تو میری جان کی خیر نہیں ہے۔

بیربل:۔ (اک دم چونک کر) آخر ایسی کیا بات ہے بھئی، سیر بھر چونے کو جان کی خیر نہ ہونے سے کیا واسطہ، اور پھر اتنا سارا چونا کاہے کیلیے چاہیے۔

شاہی خدمت گار:۔ شہنشاہ اکبر نے مجھے حکم دیا ہے کہ فوراً سیر بھر چونا لاؤ۔

بیربل:۔ تمھارے کیا خدمت سپرد ہے۔

شاہی خدمت گار:۔ میں شہنشاہ عالم پناہ کے لیے پانوں کے بیڑے بناتا ہوں۔

(بیربل یہ جواب سن کر کچھ خاموش سا ہو جاتا ہے اور تھوڑی دیر غور کرنے کے بعد بولتا ہے)

بیربل:۔ میری بات مانو تو ایک کام کرو، تم سیر بھر چونے کے بجائے سیر بھر دہی لے جاؤ، ورنہ تمھاری جان کی خیر نہیں ہے

شاہی خدمت گار:۔ (خوف زدہ ہو کر) کیا پنڈت جی یہ بات تمھیں نجوم کے ذریعہ معلوم ہوئی ہے۔

بیربل:۔ یہ پوچھ کے کیا کرو گے کہ مجھے کیوں کر معلوم ہوا میں نے بات پکی بتائی ہے جان کی خیر چاہو تو وہی کرو جو میں نے بتایا ہے۔

شاہی خدمت گار: اچھا مہاراج میں دہی ہی لے جاؤں گا۔

(شاہی خدمت گار کے جانے کے تھوڑی دیر بعد چند سپاہی پنواڑی کی دکان پر آتے ہیں اور بیربل کو گرفتار

کرکے اکبر کے حضور میں لے جاتے ہیں)

اکبر :- (غصہ میں) تم کون ہو؟ تم نے شاہی خدمت گار کو ہمارے حکم کے خلاف بہکانے کی جرأت کیسے کی؟

بیربل :- (ہاتھ جوڑ کر) عالی جاہ، شاہی خدمت گار پنواڑی کی دکان سے سیر بھر چونا لینے آیا تھا، جب مجھے معلوم ہوا کہ وہ حضور کے لیے بیڑے تیار کرتا ہے اور اُسے حکم ہوا ہے کہ فوراً سیر بھر چونا لائے تو میں نے نتیجہ نکال لیا کہ اس نے غلطی سے پان کے بیڑوں میں چونا زیادہ لگا دیا ہے جس سے عالی جاہ کا منھ کٹ گیا اور اب اُسے بطور سزا کے سیر بھر چونا کھلایا جائے گا میں نے اسے ایک ترکیب بتادی کہ اُس کی جان بھی محفوظ رہے اور حضور بھی ایک بڑے گناہ سے بچیں اور خدا کے سامنے جواب دہ نہ ہوں۔

اکبر :- (کچھ سوچتے ہوئے) مگر پھر بھی تم ہمارے حکم کی خلاف ورزی کا سبب تو بنے۔

بیربل :- بے شک عالی جاہ! مجھے اپنے قصور کا اعتراف ہے مگر میں نے جو کچھ کیا حضور کی رعایا اور خود حضور کی خیر خواہی کی نیت سے کیا۔

اکبر :- اچھا ہم تمھیں معاف کرتے ہیں اور حکم دیتے ہیں کہ تم کل پھر دربار میں حاضر ہو۔

(اکبر نے اندازہ کر لیا تھا کہ بیربل بہت ذہین اور سمجھ دار آدمی ہے، اگلے دن جب وہ آیا تو اسے دربار میں ایک منصب عطا کر دیا گیا اور پھر وہ رفتہ رفتہ اکبر کے خاص مصاحبوں میں داخل ہو گیا)

دوسرا منظر

(خلوت خانے میں اکبر اور بیربل بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے ہیں، بیربل اپنی پُر مذاق باتوں سے اکبر کا دل بہلا رہا ہے)

اکبر :- اچھا یہ بتاؤ بیربل کہ عام طور پر لوگوں میں جو یہ بات مشہور ہے کہ بعض لوگ منحوس ہوتے ہیں یہ کہاں تک صحیح ہے؟

بیربل :- عالی جاہ! یہ بات بالکل صحیح ہے، میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں کہ اگر آپ صبح کو بیدار ہوتے ہی سب سے پہلے اس کا منھ دیکھ لیں تو سارا دن آپ کو کھانا کھانے کا موقع نہیں ملے گا۔

اکبر :- اچھا اس شخص کو بلاؤ، ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ تمھاری بات کہاں تک صحیح ہے؟

(اس شخص کو طلب کیا گیا، وہ رات کو اکبر کی خواب گاہ میں سویا اور اگلے دن صبح کو اکبر نے سب سے پہلے اسی کا منھ دیکھا اور کچھ ایسا اتفاق ہوا کہ سلطنت کے اہم کاموں میں اکبر اُس روز اس درجہ مصروف رہا کہ وہ دوپہر کے کھانے کے لیے وقت نہ نکال سکا۔ شام کو اکبر نے بیربل کو طلب کیا)

اکبر :- یہ شخص تو واقعی بڑا منحوس ہے ایسے شخص کو میں اپنی رعایا کے درمیان رہنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ لوگ مصیبت میں پڑ جائیں گے۔ اسکی نحوست سے اسکو قتل کر دینا چاہیے۔

بیربل :- عالی جاہ! صبح کو آپ نے سب سے پہلے اس شخص کا چہرہ دیکھا اور اس شخص نے سب سے پہلے آپ کا چہرہ دیکھا، آپ پر تو اس کی نحوست کا صرف اتنا اثر پڑا کہ آپ ایک وقت کا کھانا نہیں کھا سکے مگر اس غریب پر آپ کا چہرہ دیکھنے کا اثر یہ پڑا کہ اسے اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ اب یہ بتائیے کہ بڑا منحوس کون ہے آپ یا وہ؟

(بیربل کی اس بات پر اکبر قہقہہ لگا کر ہنس پڑا اور حکم دیا کہ اس منحوس شخص کو اشرفیوں کی ایک تھیلی دے کر رخصت کر دیا جائے)

ایک کِسان اور چار چور

بہت مدت ہوئی ایک گاؤں میں ایک بیوقوف کسان رہتا تھا۔ یہ کسان بہت سیدھا سادا اور بہت نیک اور بہت خوش مزاج تھا۔ وہ بے چارا اپنی سادگی کی وجہ سے سارے گاؤں کے لوگوں کی دل چسپی کا ذریعہ بنا ہوا تھا۔ سب اسے بناتے، بہکاتے اور اس کا مذاق اُڑاتے۔

اس کسان کی ایک بڑی آرزو یہ تھی کہ وہ ایک بھیڑ کا بچہّ پالے۔ اس مقصد کے لیے وہ اور اس کی بیوی دونوں رُپیہ جمع کرنے کی کوشش کررہے تھے، اور خوش تھے کہ اب ان کی آرزو پوری ہونے کے دن قریب آتے جارہے ہیں۔

ایک دن جو انھوں نے اپنا جمع کیا ہوا رُپیہ گِنا تو وہ اتنا ہوگیا تھا کہ ایک بھیڑ کا بچہّ خریدا جاسکے انھیں دنوں قریب کے گاؤں میں ایک میلہ لگا ہوا تھا۔ اس میلے میں مویشی بھی بکنے آتے تھے۔ کسان اپنا جمع کیا ہوا رُپیہ لے کر میلے کے لیے روانہ ہوا۔ جو راستہ اس میلے کو جاتا تھا، وہ ایک جنگل سے گزرتا تھا۔ اس خیال سے، کہ کوئی چور ڈاکو اسے اس کی ساری پونجی سے محروم نہ کردے۔ اس نے ایک چھوٹی سی تھیلی میں رُپیہ رکھ کر اسے اپنے کپڑوں میں چھُپا لیا۔

جُوں جُوں میلے والا گاؤں قریب آتا جاتا تھا، کسان اپنے دل میں خوش ہوتا جاتا کہ اب میں ایک بھیڑ کے بچّے کا مالک بن جاؤں گا۔

میلے میں پہنچ کر وہ بار بار اپنے رُپیہ والی تھیلی کو چھوُ چھوُ کر دیکھ لیتا تھا کہ وہ بدستور اپنی جگہ محفوظ ہے۔ بیوی نے اسے اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ اس بات کا بہت خیال رکھنا کہ کوئی تمھارا رُپیہ نہ اُچک لے۔ میلوں ٹھیلوں میں چور اُچکے اکثر اس تاک میں پھرا کرتے ہیں، کہ کوئی بھولا بھالا آدمی ان کے ہتّے چڑھ جائے۔

کسان کئی گھنٹے تک ایک اچھا سا بھیڑ کا بچہّ ڈھونڈتا رہا، آخر بڑی تلاش کے بعد اسے ایک ایسا بچہّ مل گیا جیسا وہ چاہتا تھا۔ وہ بچہّ اس نے خرید لیا اور سیدھا اپنے گھر کی طرف چل دیا۔

شام ہوگئی تھی، اس لیے کسان نے اپنی رفتار تیز کردی۔ وہ سورج غروب ہونے سے پہلے جنگل پار کرلینا چاہتا تھا۔
مگر بے چارے کسان کو یہ خبر نہیں تھی کہ چار چوروں نے اسے تاک لیا ہے، اور وہ اس کے پیچھے لگ لیے ہیں۔ جیسے ہی کسان بھیڑ کا بچّہ لیکر چلا تھا، ان چوروں نے اچھی طرح بھانپ لیا تھا کہ یہ آدمی بالکل بُدھو ہے اور اس سے بھیڑ کا بچّہ حاصل کرنے میں زور زبردستی کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ اس کے علاوہ اس راستے پر میلے سے آنیوالے دوسرے لوگوں کو کسی قسم کا شبہ بھی نہیں ہوگا اور ہم بہت آسانی اور بڑی سہولت سے اپنا کام بنالیں گے۔ کسان بچّے کو لیے اپنی موج میں بہت خوش خوش یہ سوچتا ہوا چلا جارہا تھا کہ جب بیوی اس پیارے پیارے بچّہ کو دیکھے گی تو اسے میری پسند کا قائل ہونا پڑے گا، اور وہ بہت ہی خوش ہوگی۔
جیسے ہی وہ جنگل میں داخل ہوا، اسے پہلا چور ملا اور مسکرا کر اس سے کہنے لگا "کیوں بھیّا! یہ گدھے کا بچّہ تم نے کتنے میں خریدا؟" کسان حیران پریشان سوچتا رہ گیا کہ یہ کیا پوچھ رہا ہے، مگر چور جواب کا انتظار کیے بغیر بے پروائی سے آگے بڑھ گیا۔ کسان نے بھیڑ کے بچّہ کو اوپر اٹھا کر اس کا منھ اچھی طرح دیکھا اور مطمئن ہوگیا کہ وہ واقعی بھیڑ ہی کا بچّہ ہے، اور اس آدمی نے غلطی سے اسے گدھے کا بچّہ سمجھا۔
وہ تقریباً ایک فرلانگ آگے بڑھا تھا کہ دوسرا چور آیا اور کہنے لگا "ارے بھئی، یہ تم نے گدھے کا بچّہ کیوں خریدا، گدھے کی ضرورت تھی تو گدھا خریدتے، اس کو پالنے پوسنے میں بہت وقت لگ جائے گا اور پھر اس کے کھلانے پلانے میں خرچ بھی تو کرنا پڑے گا۔" یہ کہتا ہوا چور گزرا چلا گیا۔
اب تو کسان کو شبہ پیدا ہوگیا کہ کہیں میں نے غلطی تو نہیں کی ہے۔ شاید بیچنے والے نے میرے ساتھ دھوکا کیا ، مگر جب اس نے بچّہ کو غور سے دیکھا تو پھر مطمئن ہوگیا کہ وہ بھیڑ ہی کا بچّہ ہے۔ کچھ دُور تک اسے کوئی نہیں ملا، مگر اور آگے بڑھا تو تیسرا چور آپہنچا اور بولا "کیوں بھیّا! دھوبی ہونا۔ یہ گدھے کا بچّہ جو تم لائے ہو، ہے تو بہت اچھا۔ مگر تم اس سے ابھی کام تھوڑا ہی لے سکتے ہو۔ ابھی تو تمھیں خود اس کی خدمت کرنی پڑے گی۔"
اب تو کسان کو یقین ہوگیا کہ مجھے دھوکا دیا گیا۔ بھیڑ کا بچّہ کہہ کر گدھے کا بچّہ میرے ہاتھ بیچ دیا۔ اسے بہت غصہ آیا اور بڑا رنج ہوا کہ میں نے کیسی غلطی کی ہے۔ اتنا روپیہ بھی برباد ہوا اور بے وقوف الگ بنے۔ اب بیوی کو جاکر کیا منھ دکھاؤں گا۔ اس سے کیوں کر کہوں گا کہ میں نے بھیڑ کے بچّے کے دھوکے میں یہ گدھے کا بچّہ خرید لیا۔ اگر وہ کمبخت بیچنے والا مجھے مل جائے تو اسے جان سے مار ڈالوں گا۔
اس نے بچّہ کو گود سے نیچے اتار دیا اور انتہائی فکر و تردّد کی حالت میں آگے بڑھا۔ آہستہ آہستہ جیسے کوئی اونگتا ہوا چل رہا ہو، غریب کو اس کی بھی خبر نہ ہوئی کہ چوتھا چور بھیڑ کے بچّہ کو اٹھا کر چلتا بنا۔

سہیلیوں کے گیت

عبدالغنی شمس

آؤ مِل جُل گائیں

خوشیوں کی رُت آئی آئی
سُندر سپنے لائی لائی
لہراتی ہیں گھٹائیں
آؤ مِل جُل گائیں

باغ میں چل کر جھُولا جھولیں
کلیاں چٹکیں، بیلے پھُولیں
سکھ کے پھول کھلائیں
آؤ مِل جُل گائیں

ٹھنڈے جھونکے آئے پَوَن کے
جھوم اٹھے سب پودے چمَن کے
ہم بھی ہنسیں ہنسائیں
آؤ مِل جُل گائیں

کوکو بولے کوَیل پیاری
برکھا رُت کی راج دُلاری
ہم بھی تان اڑائیں
آؤ مِل جُل گائیں

دِل چسپ مشغلے

سب کا حاصل جمع ۔ صفر

ذیل میں ایک سے لے کر نو تک سارے اعداد کی ایک قطار دی گئی ہے ۔ اس میں جمع کی تین اور منفی کی دو علامتیں اس طرح لگاؤ کہ سارے اعداد کا مجموعہ صفر ہو ۔ کیا تم اس طرح کر سکتے ہو؟

۹ ۸ ۷ ۶ ۵ ۴ ۳ ۲ ۱ = ۰

گھر سے اسکول تک فاصلہ بتاؤ

ایک ماسٹر صاحب روزانہ صبح پانچ میل فی گھنٹے کی رفتار سے گھر سے اسکول جاتے ہیں اور شام تین میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گھر واپس آتے ہیں کیا تم بتا سکتے ہو کہ ماسٹر صاحب کے گھر سے اسکول تک کتنا فاصلہ ہے؟

سبزیاں اور پھل تلاش کرو ۔

ذیل میں چھے لفظوں کے اشارے دیے جاتے ہیں ۔ لفظوں کی جگہ ایسے حروف درج کرو کہ ان کے ملنے سے کوئی نہ کوئی سبزی ترکاری یا پھل بھی بن جائے اور جو حروف ہم نے لکھ دیے ہیں، انھیں شامل کرنے سے وہ لفظ بھی بن جائیں جن کے معنی ہم نے آگے لکھ دیے ہیں ۔

(۱) .... ی (ایک قسم کی سواری جسے کہار اٹھاتے ہیں)

(۲) .... گ ش ت (بے فائدہ گھومنا ۔ آوارہ گردی کرنا)

(۳) ...... دہ (لتھڑا ہوا)

(۴) .... رت (کینہ ۔ رنجش)

(۵) .... ی ن (ایسا ہی ہو)

(۶) .... اگ (دنیا کی نعمتوں اور خوشیوں سے منہ پھیر لینا)

چونتیس ہی چونتیس

ذیل میں ہندسوں کی دس قطاریں قدرتی ترتیب کے ساتھ دی گئی ہیں ۔ چار قطار سیدھی، چار کھڑی اور دو ترچھی ہیں ۔ سوال یہ ہے کہ کون سی دو قطاروں میں ہندسوں کو اس طرح الٹ پھیر کی جائے کہ سیدھی قطاروں کا حاصل جمع بھی ۳۴، ہو کھڑی قطاروں کا بھی ۳۴ اور ترچھی قطاروں کا بھی ۳۴ اس کے علاوہ اندر کے مربع کا مجموعہ بھی ۳۴ ہو اور باہر کے چاروں کونوں کا حاصل جمع بھی ۳۴ ۔

(جوابات آیندہ ماہ کے ہمدرد نونہال میں پڑھو)

ملکوں ملکوں کے بچّے

مِصری بچّے

مِصر بہت قدیم ملک ہے۔ جب یورپ کے باشندے بالکل جنگلی تھے اور اپنے بدن پر پتّے لپیٹے پھرتے تھے۔ اس وقت مصر بہت ترقی یافتہ اور مہذب ملک تھا۔ اسی زمانے کی عمارتیں اور بعض عمارتوں کے کھنڈرات اور بادشاہوں کے شاندار زمین دوز مقبرے آج تک موجود ہیں، اور مصر کے درخشاں ماضی کی یاد تازہ کرتے ہیں۔

یہ کہنا تو مشکل ہے کہ دنیا میں سب سے پہلے تہذیب کی روشنی کس ملک میں آئی۔ اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ مختلف ملکوں میں ساتھ ہی ساتھ تہذیب نے جنم لیا۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ جن ملکوں میں سب سے پہلے تہذیب کے آثار نظر آئے، ان میں مِصر بھی شامل ہے۔

مِصر دریائے نیل کے پہلو میں آباد ہے۔ دریائے نیل کا شمار ہمیشہ دنیا کے عجائبات میں ہوتا رہا ہے۔ ہر سال گرمی کے موسم میں دریائے نیل میں سیلاب آتا ہے، اور سارے مِصر کو سیراب کردیتا ہے۔ نیل دنیا کے سب سے لمبے دریاؤں میں سے ایک ہے۔ وہ افریقہ کے وسطی حصے سے نکل کر پتھریلے بیابانوں میں سے ہوتا ہوا شمال کی جانب ہزارہا میل تک چلا گیا ہے۔

مِصر میں عام طور پر لوگ گدھوں اور اُونٹوں پر سفر کرتے ہیں۔ ریتیلا ملک ہونے کی وجہ سے اونٹ وہاں بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔ ریگستان بہت گرم اور خشک ہے، اور پانی بہت دُور دور کے فاصلوں پر دستیاب ہوتا ہے۔ اونٹ کئی کئی روز کا پانی ایک ساتھ پی لیتا ہے، اس لیے وہ ریت کے میدانوں میں آسانی کے ساتھ سفر کرسکتا ہے۔

مِصر میں بارش بہت کم ہوتی ہے، لیکن اس ملک کے جنوب میں ایسے پہاڑ ہیں جن پر برف جمی رہتی ہے۔ گرمی کے موسم میں یہ برف پگھل پگھل کر دریائے نیل میں آجاتی ہے، یہاں تک کہ دریا کا پانی دریا سے نکل کر ہر چہار طرف پھیل جاتا ہے۔ ہفتوں کھیت پانی سے بھرے رہتے ہیں۔ جب پانی خشک ہوجاتا ہے تو مٹی بڑی زرخیز ہوجاتی ہے۔

مصر کی آمدنی کا خاص ذریعہ آج کل نہر سویز ہے۔ اس میں سے تمام بڑے بڑے ملکوں کے جہاز گزرتے ہیں۔ اس نہر کے ذریعہ میڈیٹرینین بحر اور بحر احمر کو ملا دیا گیا ہے۔ یہ نہر فرانس، انگلستان اور دوسرے چند ملکوں کے سرمایہ سے بنائی گئی تھی اور اس کا انتظام ایک کمپنی کے سپرد تھا۔ اب چند سال سے مصر کے صدر عزت مآب جمال عبدالناصر نے اس پر قبضہ کرلیا ہے اور یہ پورے طور پر مصر کی ملکیت میں آگئی ہے۔

مصر کے مثلث نما چوپہل اونچے اونچے مینار جنھیں اہرام کہتے ہیں، دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ یہ پتھر کے بھاری بھاری ٹکڑوں سے بنائے گئے ہیں۔ ان کی عظمت اور شان دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اہرام کو بنے ہوئے پانچ ہزار سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے۔ ان کی تعمیر انجینئرنگ کا کمال سمجھا جاتا ہے۔ کہتے ہیں، اہرام کے اندر بادشاہوں کی لاشیں ہیں۔ ان لاشوں کو مسالوں کے ذریعے محفوظ رکھا گیا ہے اور آج تک وہ اسی طرح موجود ہیں۔ اس طرح محفوظ کی ہوئی لاشوں کو "ممی" کہتے ہیں۔ اہرام کے اندر کوئی جا نہیں سکتا۔

مصر کے بچے بڑے پیارے اور خوبصورت ہوتے ہیں۔ شکل وصورت میں تو وہ یورپ کے دوسرے ملکوں کے بچوں سے زیادہ مختلف نہیں ہیں، مگر اپنے ملک کے شاندار ماضی اور اس کی یادگاروں کا اثر ابتدائی عمر ہی سے ان بچوں کو ایک عجیب قسم کا وقار عطا کردیتا ہے، وہ ہمیشہ لوگوں کے ساتھ بڑے خلق اور بڑے ادب کے ساتھ پیش آتے ہیں اور بڑے پھرتیلے، مستعد اور محنتی ہوتے ہیں، ان کی آنکھوں میں ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے صدہا راز چھپے ہوئے ہوں۔

موجودہ دور کے بچوں میں یہ احساس بہت شدت کے ساتھ پیدا ہوگیا ہے کہ ہمارا ملک اور ہماری قوم یورپ کے سب ملکوں سے زیادہ عزت و احترام کی مستحق ہے۔ آج کل مصر بہت تیزی سے ترقی کی طرف گامزن ہے، اور اپنے ماضی کی روایتیں برقرار رکھنے اور شان دار مستقبل تعمیر کرنے کے لیے اسے اپنے بچوں پر بڑا بھروسہ ہے، جو آنے والے دور میں اس کی رہنمائی کریں گے۔

اچھا آؤ اب تمھیں قدیم مصر کی ایک مختصر سی کہانی سنادیں جو ایک اسکول کے بچے کی کاپی میں لکھی ہوئی ملی ہے۔ یہ کاپی قدیم زمانے کی نایاب یادگاروں کے ساتھ ایک عجائب گھر میں محفوظ ہے۔ وہ بچہ تو ضرور ایسا ہی ہوگا، جیسے تم ہو، مگر ہاں ہزارہا برس پہلے کا اسکول ضرور عجیب قسم کا اسکول ہوگا۔ بچے کا خط بہت صاف ہے۔ صفحے کے دونوں طرف حاشیہ چھوٹا ہوا ہے، ماسٹر کی رائے ایک طرف کے حاشیہ پر لکھی ہوئی ہے، اور اس کے دستخط بھی ہیں۔

کہانی میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہاتھ اور پاؤں کا سر سے جھگڑا ہوگیا ہے، اور وہ سر کی شکایت لے کر عدالت میں پہنچے ہیں۔ (باقی ۲۲ پر)

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک ملکہ تھی جس کے کوئی بچہ نہ تھا۔ وہ روزانہ باغ میں جاکر خدا سے دعا مانگتی کہ اُسے کوئی لڑکا یا لڑکی دے دے۔ ایک صبح ایک فرشتہ اس کے پاس آیا، جس نے اُسے بتایا کہ خدا عنقریب اُسے ایک چاند سا لڑکا عطا کرنے والا ہے، جس میں یہ خصوصیت ہوگی کہ وہ جس چیز کی خواہش کرے گا اُسے مل جایا کرے گی۔ یہ کہہ کر فرشتہ غائب ہوگیا۔ ملکہ دوڑی ہوئی بادشاہ کے پاس گئی اور اسے خوش خبری سنائی۔ کچھ دن کے بعد واقعی اس کے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ ملکہ روزانہ بچّے کو باغ میں لے جاتی۔ نہلاتی، دھلاتی اور کچھ دیر بعد واپس لے آتی۔ کیوں کہ یہ باغ کا وہی گوشہ تھا جہاں ملکہ روزانہ دُعا مانگنے آیا کرتی تھی۔

ایک دن جب کہ بچّہ نہا دھوکر ملکہ کی گود میں سو رہا تھا خود ملکہ کی بھی آنکھ لگ گئی۔ ایک پرانا نوکر جسے لڑکے کی یہ خصوصیت معلوم تھی کہ وہ جس چیز کو چاہے گا اسے مل جایا کرے گی، اُسے چرا لے گیا اور ایک مرغی کاٹ کر اس کا خون ملکہ کے کپڑوں اور باغ میں جگہ جگہ چھڑک دیا۔ بچّے کو اس نے ایک خفیہ جگہ پہنچا دیا جہاں ایک نرس کا انتظام پہلے ہی سے کر رکھا تھا۔ اس کے بعد وہ سیدھا بادشاہ کے پاس گیا اسے بتایا کہ ملکہ بچّے کو لے کر باغ میں گئی اور سو گئی اور جنگلی جانور ملکہ کی غفلت سے موقع پاکر بچّے کو اٹھا لے گیا۔ بادشاہ نے جب جاکر دیکھا تو ملکہ اب بھی سو رہی تھی اور اس کے کپڑوں پر جگہ جگہ خون کے دھبّے موجود تھے۔ بادشاہ ملکہ پہ سخت ناراض ہوا اور اس نے ملکہ کو سزا کے طور پر ایک تاریک گنبد میں پھنکوا دیا۔ دروازہ کو اینٹوں سے چنوا دیا اور حکم دیا کہ ملکہ یہاں سات سال تک بند رہے گی اور اسے کھانے پینے کے لیے بھی کچھ نہیں دیا جائے گا۔ بادشاہ کا مقصد علاوہ اس کے کچھ نہ تھا کہ ملکہ وہاں مر جائے۔ لیکن خدا کا کرنا کیا ہوا کہ روزانہ دو فرشتے فاختہ کی شکل میں آتے اور ملکہ کی ضرورت کی ہر چیز اسے پہنچا دیتے۔

کچھ عرصہ بعد جب بچّے کچھ بڑا ہوگیا۔ تو نوکر نے سوچا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ شہزادہ کی خصوصیت کا راز نرس کو معلوم ہو جائے۔ اس نے محل چھوڑ کر مستقل طور پر بچّے کے پاس رہنا شروع کر دیا اور نرس کو چھٹی دے دی۔ جب بچّہ کافی بڑا ہوگیا اور اچھی طرح سمجھنے اور بولنے لگا تو ایک دن نوکر نے اُس سے کہا کہ وہ ایک خوب صورت سجے سجائے محل کی خواہش کرے۔ جونہی لڑکے کے منھ سے الفاظ ادا ہوئے، تمام چیزیں ان کے سامنے موجود تھیں۔ اب

انھوں نے بڑے امیرانہ ٹھاٹ سے رہنا شروع کر دیا۔ کچھ دن گزرنے کے بعد پھر ایک دن نوکر نے شہزادے سے کہا کہ یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ تم اس طرح اکیلے رہو اس لیے بہتر ہو کہ تم اپنے لیے ایک لڑکی کی خواہش کرو جو تمھارے ساتھ کھیل کر تمھارا دل بھی بہلا سکے اور تمھاری ہر ضرورت کا پورے طور پر خیال رکھا کرے۔ شہزادے نے اس کے کہنے کے مطابق دعا مانگی جو فوراً پوری ہو گئی۔ وہ لڑکی بہت خوبصورت تھی۔ دونوں ہر وقت ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک دوسرے سے بے پناہ محبت کرنے لگے۔

اب نوکر روزانہ شریف آدمیوں کی طرح شکار کھیلنے نکل جایا کرتا تھا۔ لیکن وہ اکثر اس بات سے پریشان رہتا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ شہزادہ کو یہ خیال آجائے کہ اس کے ماں باپ کون ہیں اور کہاں ہیں اور جیسے ہی اس کی یہ خواہش پوری ہو گی اور بادشاہ کو سب حالات معلوم ہوں گے وہ یقیناً اسے مروا دے گا۔ اس نے سوچا اب تو آسائش کی ہر چیز میسّر ہے اور مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں کیوں نہ شہزادہ کو مروا دیا جائے۔ تب بدمعاش نوکر نے اس لڑکی کو علیحدہ لے جا کر اور بہت سے لالچ دے کر کہا کہ آج ہی رات کو جب شہزادہ سو جائے اسے مار دو اور ثبوت کے طور پر اس کا دل میرے پاس لے کر آؤ تاکہ مجھے یہ معلوم ہو سکے کہ تم میرا حکم بجالائی ہو۔ لڑکی کو آمادہ نہ پاکر اس نے دھمکایا اور کہا کہ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو میں تمھیں جان سے مار دوں گا۔ لڑکی مجبوراً اقرار کر کے چلی گئی۔

جب نوکر گھر سے باہر چلا گیا تو لڑکی نے شہزادہ کو تمام حالات سے آگاہ کیا اور ایک بکرا کاٹ کر اس کا دل پلیٹ میں نکال کر رکھ دیا۔ جب اس نے دیکھا کہ نوکر واپس آرہا ہے تو اس نے جلدی سے شہزادہ کو پلنگ کے نیچے چھپا دیا۔

نوکر سیدھا اسی کمرے میں آیا اور اس نے آتے ہی لڑکی سے پوچھا کہ کیا وہ اس کا حکم بجالائی۔ لڑکی نے خاموشی سے پلیٹ اسے پیش کر دی۔ اس سے پہلے کہ نوکر کچھ بولتا، شہزادہ پلنگ کے نیچے سے نکل آیا اور اس نے کہا، "بدمعاش! تمھیں تمھاری بدمعاشی کی سزا ملے گی۔ تم ایک کالا کتّا بن جاؤ گے۔ تمھارے گلے میں سونے کی زنجیر ہو گی۔ کیوں کہ تم لالچی ہو اور تم انگارے کھایا کرو گے تاکہ تمھارے منھ سے ہر وقت شعلے نکلتے رہیں اور لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ تمھیں تمھارے کرتوت کی سزا ملی ہے۔" جوں ہی شہزادے کے منھ سے یہ الفاظ نکلے بوڑھا نوکر فوراً کالے کتّے میں تبدیل ہو گیا۔ اس کے لیے دہکتے ہوئے انگارے لائے گئے اور جیسے ہی اس نے انھیں نگلا اس کے منھ سے شعلے نکلنے لگے۔

نوکر کی اس حرکت کے بعد شہزادہ نے سوچنا شروع کیا کہ آخر اس کے ماں باپ کون ہیں، کہاں ہیں اور اس کا اپنا ملک کون سا ہے۔ ایک دن اس نے لڑکی سے کہا کہ میں اپنے وطن اور اپنے ماں باپ کی تلاش میں نکلنا چاہتا ہوں۔ اگر تم میرے ساتھ چلو تو تمھاری حفاظت میں کروں گا۔ لڑکی نے کہا نہیں معلوم تمھارا ملک کتنی دور ہو گا۔ میں اتنی دور کیسے چل سکتی ہوں اور پھر میں اس اجنبی ملک میں جہاں میرا کوئی بھی جاننے والا نہیں، کیا کروں گی۔ لیکن میں تم سے علیحدہ بھی ہونا نہیں چاہتی۔ خود شہزادہ بھی یہی چاہتا تھا۔ اس نے خواہش کی کہ لڑکی ایک گلاب کا پھول بن جائے۔ شہزادے نے پھول کو اپنے کالر میں لگایا اور گھر کی طرف چل پڑا۔ کتّا پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ آخر کار ایک دن یہ اپنے ملک میں پہنچ گیا۔ اس نے خواہش کی کہ وہ اپنی ماں کے گھر کے سامنے پہنچ جائے۔ فوراً ہی اس نے دیکھا

کہ وہ شہر سے باہر ایک بہت پرانے گنبد کے سامنے کھڑا ہوا ہے، جس میں اوپر جانے کے لیے کوئی دروازہ نہیں ہے۔ اسے بڑا تعجب ہوا کہ اس کی ماں اور یہاں رہتی ہے۔ بہرصورت اس نے ایک سیڑھی کی خواہش کی اور اوپر پہنچ گیا۔ جب اسے اندھیرے میں کچھ نظر نہ آیا تو اس نے آواز دی۔ ملکہ سمجھی کہ شاید فاختائیں اس سے کھانے کی بابت پوچھ رہی ہیں۔ اس نے جواب دیا، میرے پاس کھانے کے لیے کافی سامان موجود ہے، اس لیے مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔ شہزادے نے کہا ماں یہ میں ہوں تمھارا اپنا لڑکا، جسے بوڑھا نوکر چرا کر لے گیا تھا۔ ماں بیٹے سے مل کر بہت خوش ہوئی۔ شہزادے نے کہا کہ اگر میں چاہوں تو تمھیں ابھی آزاد کرا سکتا ہوں لیکن میری اسکیم دوسری ہے، اس لیے چند دن اور صبر کرو۔

اس کے بعد شہزادہ سیدھا اپنے باپ کے محل کے دروازہ پر پہنچا اور اعلان کیا کہ وہ ایک بہت عمدہ شکاری ہے اور ملازمت چاہتا ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ اگر یہ اچھا شکاری ثابت ہوا تو میں یقیناً اسے ملازم رکھ لوں گا۔ اس نے وعدہ کیا کہ بادشاہ کے کھانے کی میز کے لیے جتنے ہرن درکار ہوں گے وہ مہیا کرے گا۔ اس نے بادشاہ کے تمام شکاریوں کو ساتھ لیا اور جنگل میں ایک دائرہ بنا کر ہرنوں کو گھیرا اور خواہش کی کہ بہت سارے ہرن اس دائرے میں جمع ہو جائیں۔ دو سو سے زیادہ ہرن آموجود ہوئے جنھیں شکاریوں نے مار گرایا۔

بادشاہ بہت خوش ہوا اور اس نے اس خوشی میں ایک جشن منعقد کرنے کو کہا۔ جب تمام درباری جمع ہو گئے تو بادشاہ نے اس سے کہا کہ تم اتنے عمدہ اور ہوشیار شکاری ہو کہ تمھیں میرے برابر میں بیٹھنا چاہیے۔ لڑکے نے کہا کہ حضور نے جو مجھے اتنی عزت بخشی ہیں ہرگز اس لائق نہیں کیوں کہ میں تو ایک غریب شکاری ہوں۔ بادشاہ کے اصرار پر وہ اس کے برابر بیٹھ گیا۔ اب لڑکے نے خواہش کی کہ درباریوں میں سے کوئی ایک اس کی ماں کا ذکر چھیڑے۔ جونہی لڑکے نے یہ سوچا، وزیر اعظم نے کہنا شروع کیا: "بادشاہ سلامت ہم لوگ یہاں عیش کر رہے ہیں، جشن منا رہے ہیں لیکن ہم نے کبھی یہ نہ سوچا کہ ملکہ کا کیا حال ہوگا، وہ زندہ ہوں گی یا کہ کبھی کی ختم ہو چکی ہوں گی۔"

خاموش! بادشاہ چلایا۔ "اس نے میرے لڑکے سے غفلت برتی اور اسے کوئی جانور اٹھا لے گیا۔ میرے دل میں ملکہ کے لیے کوئی ہمدردی کا جذبہ نہیں ہے۔" لڑکا یہ سنتے ہی اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے کہا، اے بادشاہ اور میرے باپ! وہ ابھی تک زندہ ہے اور میں وہی لڑکا ہوں۔ مجھے کوئی جنگلی جانور نہیں لے گیا تھا۔ بلکہ وہ بڈھا بدمعاش نوکر لے گیا تھا جس نے آپ کو یہ اطلاع دی تھی کہ مجھے کوئی جانور اٹھا لے گیا ہے۔ ہوا یہ تھا کہ میری ماں سو رہی تھی، اس نے مجھے چپکے سے اٹھا یا اور اس کے کپڑوں پر خون کے چھینٹے دے دیے تاکہ آپ کو بہکایا جا سکے۔ اس کے بعد لڑکے نے کہا کہ یہ نوکر اپنی شکل میں آجائے اور فوراً ہی بادشاہ نے پہچان لیا کہ یہ وہی نوکر ہے۔ بادشاہ بمشکل اپنے آپ پر قابو پا سکا۔ اس نے کہا اسے فوراً اس کے سامنے سے لے جاؤ اور کسی تنگ و تاریک تہ خانہ میں قید کر دو۔ بادشاہ نے اپنے بیٹے کو سینے سے لگاتے ہوئے کہا کہ تم نے کتنی مصیبت میں زندگی گزاری ہوگی، کیسی تکالیف کا سامنا کیا ہوگا۔ لڑکے نے کہا، نہیں میں بہت عیش و آرام سے رہا ہوں اور پھر اپنے باپ سے پوچھا کہ کیا آپ اس لڑکی

کو دیکھنا چاہیں گے۔ جس نے نہ صرف میرا ہر طرح خیال رکھا ہے بلکہ میری جان بھی بچائی ہے اور پھر اس نے اپنے باپ کو وہ پورا واقعہ سنایا۔ بادشاہ نے کہا کہ میں اس لڑکی کو دیکھنے کے لیے بے چین ہوں۔ لڑکے نے اپنے کالر سے گلاب کا پھول نکالا اور کہا کہ اب آپ اسے اپنی شکل میں دیکھیں گے۔ تمام درباری بڑی حیرت سے تک رہے تھے۔ اُس نے خواہش ظاہر کی کہ وہ اپنی اصلی صورت میں آجائے اور سب نے دیکھا کہ ایک بہت خوب صورت لڑکی ان کے سامنے کھڑی ہوئی ہے۔ اب لڑکے نے بادشاہ سے پوچھا کہ کیا آپ ملکہ میری ماں کو بھی دیکھنا چاہیں گے۔ بادشاہ نے کہا کہ میں نے اس کے ساتھ بہت ناانصافی کی ہے اس لیے میں خود اسے لینے جاؤں گا۔ بادشاہ فوراً لڑکے کو ساتھ لے کر گنبد پر گیا ملکہ کو آزاد کیا اور اس سے معافی مانگی۔ بادشاہ نے واپس آکر پھر ایک بہت بڑا جشن منایا اور شہزادہ کی شادی گلاب شہزادی سے کردی اور ہنسی خوشی رہنے لگے۔

(بقیہ صفحہ ۲۷)

لڑکے کا فوٹو کھینچ رہا ہے اور اس معذور لڑکے کے بدن پر گہرے زخم ہیں جن پر مکھیاں بھنک رہی ہیں۔ اسلم کو ایک دم جوش آگیا۔ وہ دوڑتا ہوا اس بیمار لڑکے اور سیّاح کے درمیان آکھڑا ہوا۔ اس سیّاح نے آنکھوں کے سامنے سے کیمرہ ہٹایا اور کچھ کہا جسے اسلم نہ سمجھ سکا۔ اور ادھر معذور لڑکے نے اسلم کو خطاب کرتے ہوئے کہا "بابو! تم تو پیسے دے کر بھی فوٹو کھنچوا سکتے ہو۔ میرے سامنے سے ہٹ جاؤ تاکہ میرا فوٹو کھنچ جائے۔ یہ سن کر جیسے اسلم پر بجلی گر گئی۔ وہ دوڑتا ہوا بھاگ نکلا اور سیدھا گھر پہنچ گیا۔ گھر جا کر وہ اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ جب اسلم کی امّی نے کھانے پر بلایا تو اس وقت تک اسلم اسی سوچ میں غرق تھا اور اس نے کھانا بھی نہیں کھایا۔

دوسرے دن جب اسلم میاں اسکول پہنچے تو ان سے پہلے ہی ان کی امّی نے ان کی کلاس ٹیچر کو یہ اطلاع کردی تھی کہ کسی نامعلوم وجہ سے اسلم خاموش اور اداس ہے۔

اسلم کی ٹیچر نے اسلم سے علیحدگی میں وجہ معلوم کی تو اسلم نے گزری ہوئی پوری داستان سُنادی۔ جواب میں اسلم کی ٹیچر نے کہا "پیارے اسلم، تمھیں خدا نے ایک غیرت مند اور حسّاس دل دیا ہے، ... تم خوش نصیب ہو۔ دراصل ضرورت اس بات کی ہے کہ ہماری قوم کے سارے نونہال ایسے ہی ہو جائیں۔ لیکن پیارے اسلم، تم ذرا یہ سوچو کہ کیا تمھارے اس طرح پریشان ہونے سے یا فرداً فرداً ایک ایک فقیر کو سمجھانے سے یہ پوری قوم سُدھر جائے گی؟ کبھی نہیں! کبھی نہیں!! اس کے لیے ضرورت ہے کہ تم خود میں اتنی صلاحیت پیدا کر کے دکھاؤ کہ اس قوم کو سدھار سکو۔ اور اسلم، دیکھو تم میں یہ صلاحیت جب ہی پیدا ہوگی جب تم صحیح طریقہ سے پڑھو اور خود میں خدمت کا جذبہ زندہ رکھو۔ یاد رکھو قائداعظمؒ بھی تمھاری طرح بچپن سے حسّاس اور قوم کے لیے پریشان تھے اور انھوں نے آخر ایک دن ہمیں آزادی دلائی۔ اب تم بھی قوم کو بیماری، پستی، جہالت اور گندگی سے آزادی دلانے کا عہد کرو۔"

دُعا

انور مہدی

میرے مولا مری ہر ایک ہو حسرت پوری
کر سکے مجھ کو پریشاں نہ کوئی مجبوری

مجھ کو عزّت وہ عطا ہو جو ترے گھر سے ملے
اصل میں ہے وہی دولت جو ترے در سے ملے

زندگی ہو مری مانندِ شعلۂ خورشید
ناامیدوں کے لیے زیست ہو میری امّید

ظلمتیں دُور ہوں دنیا میں اجالا ہو جائے
روشنی سے مری ہر شان دوبالا ہو جائے

صورتِ شمع کروں نور اندھیرے گھر میں
ماہ و انجم کی طرح چمکوں زمانے بھر میں

دولتِ علم سے خالی نہ ہو دامن میرا
بزمِ عالم کو کروں علم سے اپنے روشن

اپنے الطاف و کرم سے مجھے عزت دیدے
میرے معبود! مجھے علم کی دولت دے دے

علم کے ساتھ عمل بھی ہو زمانے میں مثال
وہ عمل جس پہ کبھی آ نہ سکے گردِ ملال

جو قدم اُٹھے غریبوں کی حمایت میں اٹھے
دردمندوں کی ضعیفوں کی محبّت میں اٹھے

ہر بُرائی سے ہمیشہ رہے نفرت مجھ کو
میرے معبود بھلائی سے ہو رغبت مجھ کو

میں بڑا ہو کے کروں اپنے وطن کی خدمت
باغباں کرتے ہیں جس طرح چمن کی خدمت
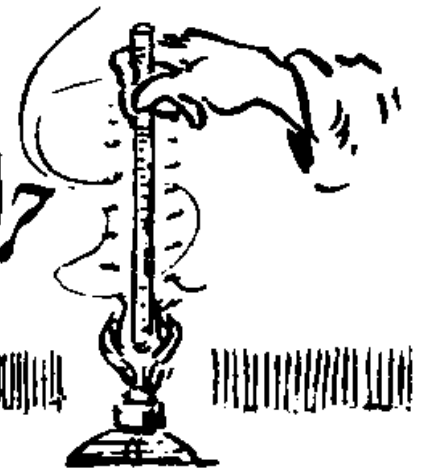
اگر تم ایک شیشہ کی نلکی میں پانی بھرو اور اسے اُوپر کے سرے کی طرف ہاتھ میں پکڑے پکڑے نلکی کی تلی کی طرف پانی کو اُبالو تو اوپر کے سرے پر بھی جلد ہی پانی اِس قدر گرم ہو جائے گا کہ تم نلکی کو ہاتھ میں نہیں لے سکو گے لیکن اگر تم نلکی کو اس کی تلی کی طرف سے ہاتھ میں پکڑو اور اوپر کے سرے کی طرف نلکی کو گرمی پہنچا کر پانی کو اُبالو تو تلی کی طرف والا پانی گرم نہیں ہوگا یا زیادہ گرم نہیں ہوگا اور تم آسانی سے نلکی کو پکڑے رہو گے۔

یہ جادو نہیں ہو بلکہ یہ نتیجہ ہے ایک سیدھے سادے قاعدے کا۔ وہ قاعدہ یہ ہو کہ ایک سیّال جب گرم ہوتا ہے۔ تو زیادہ جگہ گھیرتا ہو، اور جب ٹھنڈا ہوتا ہو تو اس سے کم جگہ گھیرتا ہو۔ اس لیے ایک سیال کی مقررہ مقدار جب گرم ہوتی ہو تو ہلکی ہوتی ہو اور جب ٹھنڈی ہوتی ہو تو بھاری ہوتی ہے۔ اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ گرم سیّال مادہ ٹھنڈے سیّال مادّے میں سے گزر کر اوپر آجاتا ہو۔ اس لیے جب تم پانی کو نلکی کی تلی پر گرم کرتے ہو تو گرم ہوتے ہی وہ اوپر کے سرے پر آجاتا ہو، اس طرح نلکی کا سارا پانی گرم ہو جاتا ہو اور تم اسے ہاتھ میں نہیں پکڑ سکتے، لیکن اگر تم نلکی کے اوپر والے سرے پر پانی کو گرم کرو تو گرم ہلکا پانی سرے پر ہی رہے گا اور ٹھنڈا بھاری پانی تلی میں بدستور جمع رہے گا۔ بڑے بڑے جہازوں کے بائیلر (اُبالنے والا) بنانے میں اسی سیدھے سادے قاعدے کی پابندی کی جاتی ہو۔

گرم ہوا بھی اسی طرح اوپر اُٹھ جاتی ہو، جیسے گرم پانی۔ اگر تم باورچی خانے میں ایک کرسی پر یا میز پر کھڑے ہو جاؤ تو تمھیں یہ دیکھ کر تعجب ہوگا کہ چھت کے قریب ہوا کس قدر گرم ہو۔ ایک کمرے میں بیٹھے ہوئے جب ہم سانس لیتے ہیں تو وہ ہوا گرم ہو کر ہمارے سانس کے ساتھ باہر نکلتی ہے اور کمرے کے اوپر کے حصے میں پہنچ جاتی ہو، اور روشندان سے باہر نکل جاتی ہو، اسی لیے ایک کمرے میں روشندان کھڑکیوں سے بھی زیادہ ضروری سمجھے جاتے ہیں، تاکہ ان سے استعمال شدہ گرم ہوا باہر نکلتی رہے۔

اب حرارت کا ایک اور قاعدہ سمجھ لو:

اگر ایک کیتلی میں پانی بھر کر چولھے پر رکھ دو تو وہ گرم ہوتے ہوتے اُبلنے لگے گا۔ فرض کرو پانی اُبلنے لگا مگر ابھی کیتلی اسی طرح آگ پر رکھی ہوئی ہو تو کیا یہ ممکن ہے کہ اُبال آنے کے بعد زیادہ دیر تک آگ پر رکھے رہنے سے پانی میں اور زیادہ حرارت پیدا ہو جائے۔ اگر ہم تپش پیما یا تھرمامیٹر سے (ڈاکٹروں والے تھرمامیٹر سے نہیں، کیوں کہ وہ ٹوٹ جائے گا) اس

اُبلتے ہوئے پانی کا درجۂ حرارت مختلف اوقات میں معلوم کریں تو ہم دیکھیں گے کہ جب ایک دفعہ پانی ابلنے لگتا ہے تو اس کا درجۂ حرارت زیادہ دیر تک تیز آنچ پر رکھے رہنے کے بعد بھی وہی رہتا ہے جو اُبلنا شروع ہونے کے وقت تھا۔

اس کو ایک اور طرح بھی آزما سکتے ہو: تین گلاس ٹھنڈا پانی ایک برتن میں ڈالو، پھر اس میں ایک ایسی کیتلی میں سے جس میں پانی ابھی اُبلنا شروع ہوا ہو، ایک گلاس پانی لے کر اسی ٹھنڈے پانی والے برتن میں ڈال دو، ظاہر ہے کہ یہ گرم اور ٹھنڈا ملا جلا پانی زیادہ گرم نہیں ہوگا اور تم آسانی سے ہاتھ ڈال کر معلوم کر سکو گے کہ پانی کتنا گرم ہے۔

اب ایک دوسرے برتن میں تین گلاس ٹھنڈا پانی ڈالو اور اس میں ایک ایسی کیتلی میں سے جس میں بیس پچیس منٹ سے برابر پانی اُبل رہا ہے ایک گلاس پانی لے کر دوسرے ٹھنڈے پانی والے برتن میں ڈالو جب تم اس دوسرے ٹھنڈے — اور گرم ملے ہوئے پانی میں ہاتھ ڈال کر دیکھو گے تو تمھیں معلوم ہوگا کہ یہ پانی اس سے زیادہ گرم نہیں ہے جتنا اس برتن میں تھا جس میں اُبلنا شروع ہوتے ہی پانی لے کر ملایا گیا تھا۔ نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ دیر تک ابلتے رہنے والے پانی میں اس سے زیادہ حرارت نہیں ہے جتنی اُبلنا شروع ہوتے ہی پانی میں حرارت ہوتی ہے۔

ہوتا یہ ہے کہ حرارت، جو پانی اُبلنا شروع ہونے کے بعد پیدا ہوتی ہے، وہ پانی کو اور زیادہ گرم نہیں کرتی بلکہ پانی کے کچھ حصّے کو بھاپ بنا کر اڑا دیتی ہے۔ یہ حقیقت کہ اُبلتا ہوا پانی چاہے کتنی ہی دیر آگ پر رکھا رہے اس کا درجۂ حرارت یکساں رہتا ہے، ابلتے ہوئے پانی کو کھانا پکانے کا بہت اچھا ذریعہ بنا دیتی ہے۔ پندرہ منٹ تک آلو یا اور کوئی چیز ابالنے کا نتیجہ ہمیشہ ایک سا رہے گا۔

پانی کے اُبالنے کا یہ سادہ سا قاعدہ بھاپ کے انجنوں کے سلسلے میں بہت ہی اہم ہے، مگر بھاپ کے انجنوں کے متعلق ایک بات اور ذہن میں رکھنی چاہیے کہ ابلتا ہوا پانی بائیلر میں دباؤ کے ساتھ بند رکھا جاتا ہے، اس دباؤ کے اثر سے کیا صورت پیدا ہو جاتی ہے اس کا تعلق حرارت کے دوسرے قاعدوں سے ہے جو کبھی پھر تمھیں سمجھائیں گے۔

اسکول سے چھٹی ملتے ہی سلیم اور سلیمہ اچھلتے کودتے شرارتیں کرتے گھر پہنچ گئے، کپڑے تبدیل کیے، ہاتھ منھ دھویا اور امی سے کھانا لگانے کو کہا۔ امی نے نعمت خانے سے روٹیاں اور سالن نکال کر دونوں کو دیا۔ گرمی کافی تھی اور مکھیاں بھی ستا رہی تھیں۔ امی ان دونوں بہن بھائیوں کے پاس ہی بیٹھ گئیں اور کھجور کے پنکھے کو ہلا ہلا کر ہوا کرنے لگیں۔ سلیم کو اس بات کا احساس تھا کہ امی اُن کی خاطر پنکھا جھل رہی ہیں، کہنے لگا،

"امی آپ اباجی پر زور کیوں نہیں دیتیں کہ بجلی لگوا لیں۔ بجلی ہوتی تو ہم ایک پنکھا بھی لگا لیتے ایسے تو آپ کے ہاتھ دکھنے لگتے ہوں گے"۔

سلیمہ بولی، "ہاں امی بجلی تو ضرور لگنی ہی چاہیے۔ پھر تو ہم رات کو بھی مزے سے اسکول کا کام کر لیا کریں گے اور دن میں آپ کا ہاتھ بٹائیں گے۔ پھر ایک ریڈیو بھی منگا لینا امی"۔

امی بولیں، "بجلی بھی کبھی نہ کبھی لگ ہی جائے گی۔ اب جب کہ بجلی نہیں ہے، تب بھی تو کام چل ہی رہا ہے۔ یہ سب شوق رُپلے کے ہیں۔

"مگر امی" سلیمہ بولی، "بجلی لگی ہوگی تو ایک کپڑوں کی استری بھی منگا لیں گے۔ آپ کو ہماری اسکول کی یونیفارم استری کرتے کتنی محنت کرنی پڑتی ہے۔ پھر تو ایک منٹ میں سب کپڑے ہو جائیں گے"

سلیم نے کہا، "پنکھا لگا ہوتا تو یہ مکھیاں بھی کم ہوتیں اور ہم سب بھی مزے سے ہوا لے رہے ہوتے۔ اس پنکھے سے تو آپ کے ہاتھ تھک جاتے ہوں گے"!

امی ان کو تسلی دیتی ہوئی بولیں، "یہ تو ٹھیک کہا کہ بجلی سے فائدے بہت سے ہیں، مگر بچو جب تک بجلی نہ ہو تو کیا ہمیں کچھ بھی نہ کرنا چاہیے۔ جب تک بجلی نہیں لگتی اس وقت تک تو ہمیں اپنے ہاتھوں سے بجلی کی سی تیزی سے سب کام نبٹا لینے چاہئیں"!

سلیمہ بولی، "ہماری مِس کہتی تھیں کہ گھر کی صفائی رکھنی چاہیے، اس سے گرمی بھی کم ہو جاتی

ہے اور مکھیاں بھی تنگ نہیں کرتیں۔" اور امی وہ کہتی تھیں کہ گھر میں ڈی۔ڈی۔ٹی روز چھڑکنی چاہیے
سلیم نے پانی کا گلاس منہ سے ہٹا کر دستر خوان سے اٹھتے ہوئے کہا،
"بس اب تو جلدی سے بجلی لگوا لیجیے امی۔ اور پھر اپنے لیے ایک ہیٹر ہمارے لیے ریڈیو اور سب کے لیے ایک پنکھا بھی منگوا لینا۔ اس طرح تو آپ گرمی سے بُری طرح پگھل جاتی ہیں۔"
ابھی یہ لوگ اسی قسم کی باتیں کر رہے تھے کہ گلی میں کچھ شور سا ہوا اور کسی کے رونے کی آواز سنائی دینے لگی۔ تولیے سے ہاتھ خشک کر کے سلیم باہر کی طرف بھاگا۔ اور چند منٹوں میں واپس آکر امی سے بولا،
"سامنے والی کوٹھری میں جو لڑکا قادر رہتا تھا نا ـــــ ہیں امی ـــــ وہ مر گیا ہے۔"
سلیمہ فوراً بولی، "مگر ابھی تو وہ کسی کے ساتھ لوڈو کھیل رہا تھا۔"
"ہاں بھئی، واقعی قادر مر گیا ہے۔" سلیم نے کہا، یہ رونے کی آواز اس کی امی کی ہی ہے۔"
امی بولیں، "اللہ رحم کرے۔ کیسے مر گیا وہ تو اچھا بھلا تندرست لڑکا تھا۔
ابھی جب میں گیا تو اس کی امی بڑے زور زور سے بین کر رہی تھیں ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ میں نے پوچھا تو وہ اور زور زور سے رونے لگیں اور کہنے لگیں کہ اب تم کس کے ساتھ کھیلو گے سلیم۔ تمھارا دوست تو مجھ کو روتا ہوا، تڑپتا ہوا چھوڑ گیا۔ اور میں نے دیکھا کہ وہ چار پائی پر بالکل مُردوں کی طرح سیدھا لیٹا ہوا تھا۔"
"لیکن امی" سلیمہ بولی، جب ہم اسکول سے واپس آئے ہیں اس وقت تو وہ بھلا چنگا تھا بلکہ اس نے بھائی جان کو لوڈو کھیلنے کی دعوت بھی دی تھی۔"
"ہاں ہاں" سلیم نے یاد کرتے ہوئے کہا، "اس وقت وہ شاہد کے ساتھ کھیل میں مشغول تھا اس کی چار پائی باہر گلی میں بچھی ہوئی تھی۔ اور دونوں اس پر بیٹھے تھے۔ بڑی حیرت ہے کہ وہ اتنی جلدی کیسے مر گیا۔"
"بیٹے موت کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ اسی لیے تو کہتے ہیں انسان کو ہر دم نیک کام کرتے رہنا چاہیے۔ گناہوں سے بچتے اور توبہ استغفار کرتے رہنا چاہیے۔ کسے خبر ہے کہ کب دم نکل جائے۔"
امی نے دونوں سے کہا اور پھر بولیں، "اچھا اب تم دونوں آرام سے بیٹھ کر اسکول کا کام مکمل کرو، اور میں ذرا قادر کی امی کے پاس ہو آؤں، دیکھوں تو اُسے کیا ہوا۔
قادر کا اچانک ہارٹ فیل ہو جانے کی خبر جب گلی کے دوسرے لوگوں کو ملی تو کسی نے اس کی امی کو تسلی دی اور کہا، "ممکن ہے گرمی کی شدت سے بے ہوش ہو گیا ہو۔ لہٰذا ہسپتال لے چلتے ہیں"۔

چند دوسرے لوگوں نے بھی اس شخص کی رائے سے اتفاق کیا۔ اور قادر کی لاش ہسپتال پہنچا دی گئی۔ طبیب نے قادر کے منھ پر سے کپڑا ہٹا کر دیکھتے ہی کہہ دیا، کہ اسے زہر دیا گیا ہے۔ اور پھر باقاعدہ معائنہ کرنے کے بعد اپنی رپورٹ میں لکھا:۔

"کسی بہت زہریلی چیز کے استعمال سے اس کی موت واقع ہوئی ہے۔"

قادر کی امّی تو پہلے ہی پاگلوں کی طرح بال بکھرے بین کر رہی تھیں۔ بڑی بُری حالت بنا رکھی تھی۔ زہر کا سن کر اور بھی مچل گئیں۔ دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں۔ روتے روتے کہنے لگیں،

"ہائے اللہ میرے قادر کا کون دشمن پیدا ہوگیا۔ یہ طبیب جھوٹا ہے، یہ غلط کہتا ہے، قادر کو کسی نے کوئی زہر نہیں دیا۔ میں نے کھچڑی پکائی تھی۔ خود بھی کھائی اور قادر کو بھی نکال کر دی جو میں نے کھایا وہی قادر کو بھی کھلایا۔ تو پھر میں کیوں زندہ کھڑی ہوں میرا ہیرا جیسا، چاند سا بچّہ موت نے کیوں چھین لیا۔"

محلے والوں نے قادر کی ماں کو بڑی تسلی اور دلاسہ دیا۔ اور حکیم صاحب سے ایک بار پھر اچھی طرح معائنہ کرنے کی درخواست کی۔

حکیم صاحب نے کہا، "میں نے جو کچھ اپنی رپورٹ میں لکھ دیا ہے قطعاً درست ہے۔ ممکن ہے کہ لڑکے کے کھانے میں کسی نے شرارت سے یا انتقاماً کوئی زہریلی چیز ڈال دی ہو۔ آپ لوگ خود غور کیجئے کہ آپ کا کوئی دشمن تو نہیں ہے یا جس وقت لڑکا کھانا کھانے لگا اس وقت اس کے پاس تو کوئی ایسا شخص نہیں تھا جس نے یہ حرکت کی ہو۔"

قادر کی امی بولیں، "ہماری کسی سے دشمنی نہیں ہے۔ کسی کو ہمارا کچھ بگاڑ کر کیا لینا ہے۔ اللہ جانے ہمارا کون سا دشمن پیدا ہوگیا۔" اور پھر کچھ سوچ کر آہستہ سے بولیں "جب میں نے قادر کو کھانا دیا ہے اس وقت اس کے پاس شاہد بیٹھا لوڈو کھیل رہا تھا۔"

قتل و خودکشی کے کیس پولیس کو ہسپتالوں سے ملتے ہیں۔ جب قادر کا کیس ہسپتال میں رجسٹرڈ ہوا تو ایک سی، آئی، ڈی انسپکٹر سرکاری طور پر تحقیقات کرنے قادر کے محلے میں پہنچ گیا شاہد کے متعلق چھان بین کی۔ اور دوسرے کئی لوگوں کو بلا کر مختلف قسم کے سوال ان سے کیے وہ جگہ بھی اچھی طرح جانچی۔ جہاں قادر چارپائی بچھا کر بیٹھا لوڈو کھیل رہا تھا اس کے آس پاس کے مکانوں کا جائزہ بھی لیا۔ اور دوسرے دن انسپکٹر نے اپنی تفتیش مکمل کر لی۔ اس نے اپنی رپورٹ میں قاتل کا ذکر بھی کیا۔ اور یہ بھی بتا دیا کہ کس طرح زہر نے قادر پر اپنا اثر دکھایا۔ اور لوگ اس کے انکشاف پر حیران ہوگئے۔ کسی کو انسپکٹر کی بات پر یقین نہ آیا۔ انسپکٹر نے اپنی تفصیلی رپورٹ میں جو کچھ لکھا اس کا خلاصہ یہ ہے:۔

" مجھے آج جس کیس کی تحقیقات پر مامور کیا گیا ہے، یہ ایک خطرناک کیس ہے۔ قادر کی موت ایک پراسرار حادثہ ہے جس پر کوئی خاص روشنی بظاہر نہیں پڑتی۔ ایسے واقعات میں ہم لوگ اکثر بہت الجھنوں میں پڑ جاتے ہیں اور بہت سخت چھان بین کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں قتل۔خون۔اور خودکشی کے حادثوں میں کئی بار ہم لوگوں کو اپنی جان خطرے میں گھری ہوئی محسوس ہوتی رہی ہے۔ مگر قادر کے کیس میں سراغ ملنے میں کوئی دیر نہ ہوئی اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ بھی محلے والوں کی بہتری ہی ہوئی ہے جو واقعات کا علم اور قاتل کا سراغ اتنی جلدی مل گیا ورنہ خطرہ تھا کہ جلد ہی محلے کے لاپرواہ لوگ جو صحت و صفائی کا خیال نہیں رکھتے۔ ایک ایک کرکے قادر کی طرح مرنے لگتے۔ لوگوں کا خیال تھا کہ قادر کا دوست شاہد اس موت کا باعث ہے مگر میں اگر یہ کہوں کہ اس موت میں محلے والوں کا ہاتھ ہے تو کبھی غلط نہ ہوگا۔ حقیقت میں اس موت کا سبب ایسی چیز ہے جس پر ہم لوگوں کا دھیان جا ہی نہیں سکتا۔ اور اگر خیال جاتا ہے تو ہم لوگ کچھ بھی پرواہ نہیں کرتے۔

قادر کی موت کسی انسان کی دشمنی کی وجہ سے نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ اس کی موت کا سبب ایک معمولی کیڑا ہے جسے ہم لوگ بے ضرر سمجھتے ہیں۔ قادر کی موت مکھی کی وجہ سے ہوئی۔ یہی مکھیاں جو ہر مکان، دوکان، اسکول اور دفتر میں بھنبھناتی پھرتی ہیں۔ اکثر لوگ مکھی کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اور اس کے لیے کھلی اجازت ہوتی ہے کہ جہاں مرضی ہوا اڑ کر بیٹھتی رہے۔ یہ معمولی سی مکھی اکثر بہت بڑے حادثے کا سبب بنتی ہے۔ آج اس ننھی سی شے نے ایک پھول سے بچے کو زندگی سے محروم کر دیا ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے اکثر ایسا ہوتا رہتا ہے اور آپ کے علاقے میں تو اس مکھی نے بہت بڑی تباہی پھیلا دی تھی اگر ایک دو دن اور خیال نہ کیا جاتا۔

قادر جس مکان میں رہتا تھا۔ اس کے برابر ایک تنگ سی گلی بنی ہے، جس میں گندے پانی کے اخراج کے لیے نالی بنائی گئی ہے۔ اس نالی کے کنارے پر ایک کوڑیالہ سانپ مرا پڑا ہے اور دن بدن سڑتا جا رہا ہے۔ اس کا زہر رِس رِس کر نالی میں بہتا جا رہا ہے۔ مکھیاں اس پر بھنبھناتی رہتی ہیں۔ مکھیوں کو کسی اچھی بری شے کی تمیز نہیں ہوتی۔ وہ ایک جگہ سے اڑ کر دوسری جگہ اور دوسری سے تیسری جگہ بیٹھتی رہتی ہیں۔ یہ مکھیاں غلاظت کے ڈھیر سے اڑ کر کھانے پینے کی اشیاء پر اور کھانے پینے کی چیزوں سے اڑ کر غلاظت کے ڈھیر پر بڑے اطمینان سے بیٹھ جاتی ہیں۔ مکھیاں بہت خطرناک چیز ہیں اسی کے باعث قادر کو اس حادثے کا شکار ہونا پڑا۔ میں نے جگہ دیکھی ہے جہاں بیٹھ کر قادر نے کھانا کھایا تھا وہ

ایک کھلی جگہ ہے اور گلی کا عام حصہ ہے، وہیں قادر اور اس کا دوست شاہد لوڈو کھیل رہے تھے۔ قادر کی ماں نے پلیٹ میں کھچڑی نکال کر قادر کو دی۔ مگر وہ اپنے کھیل میں اس قدر محو تھا کہ کھانے کی طرف دھیان ہی نہ دے سکا۔ وہ کھیل میں مگن بیٹھا کھیلتا رہا اور مرے ہوئے سانپ پر سے اڑ اڑ کر آنے والی مکھیوں نے کھچڑی پر بڑے اطمینان سے بیٹھنا شروع کر دیا۔ کچھ دیر بعد جب قادر کھانے کی طرف متوجہ ہوا تو اس وقت تک مکھیاں اپنے پیروں اور پیروں کی غلاظت اور زہر چاولوں میں چپکا چکی تھیں۔ ان کا لایا ہوا زہر کھانے میں سرائیت کر چکا تھا اس نے کھانا کھایا اور کچھ دیر بعد اس زہر نے کام دکھا دیا۔ قادر مر گیا۔ اگر وہ اپنے کھانے پینے کی چیزوں پر ایک بھی مکھی نہ بیٹھنے دیتا تو اس وقت ہم میں ہنس کھیل رہا ہوتا۔ وہ لوگ جو اپنے گھر اور گلی کی نالیوں اور علاقے کو صاف ستھرا نہیں رکھتے اور مکھیوں سے پرہیز نہیں کرتے ان کے ہاں ایسے حادثات کا ہونا کوئی بعید نہیں۔

انسپکٹر نے اس نالی کی صفائی کرائی اور لوگوں کے سامنے وہاں سے بدبودار گلا سڑا سانپ اٹھوایا۔ صفائی کی ہدایت کی۔ اور پورے علاقے میں دوائیاں چھڑکوائیں۔ سلیم نے اس دن سے صفائی کا بہت زیادہ خیال رکھنا شروع کر دیا کہ نہ جانے کونسی مکھی زہر سے بھری ہوئی اس کے کھانے کو خراب کر دے۔ کچھ ہی دنوں کے بعد سلیم اور سلیمہ کی کوششوں سے اس محلّے میں صفائی نے ایسا معیار قائم کیا کہ کبھی کوئی شخص بیمار نہ ہوا۔

مصری بچّے

(بقیہ ص۱)

ہاتھوں نے بہت ادب سے کہا، "حضور! سارا کام ہم کرتے ہیں۔ صبح سے شام تک کسی وقت ہمیں کام سے فرصت نہیں ملتی، سر کوئی کام نہیں کرتا، وہ آرام سے سارا دن گردن پر بیٹھا رہتا ہے۔"

سر نے جواب دیا، "میں سارا انتظام ٹھیک رکھتا ہوں۔ میں سب کچھ دیکھتا ہوں، سنتا ہوں بات چیت کرتا ہوں، ہاتھ پھرتیلے ضرور ہیں، مگر مغرور ہیں میں ان کا سردار ہوں۔ میں انھیں سزا دوں گا۔"

اس کاپی میں صرف اتنی ہی کہانی لکھی ہوئی ہے، جہاں کہانی اب سے تین ہزار برس پہلے، ختم ہوئی تھی، وہیں ہم بھی ختم کرتے ہیں۔

. . . .

پیارا بھیّا

مظاہر حبیب رشدی

میرا بھیّا پیارا ہے ۔ سب کی آنکھ کا تارا ہے
میرا بھیّا اچھا ہے ۔ بات کا اپنی پکّا ہے
میرا بھیّا کام کریگا ۔ دنیا بھر میں نام کرے گا
میرا بھیّا چاند کی صورت ۔ بھولی بھالی ہے اک مورت
میرا بھیا پاکستانی
مزے سے کھاتا ہے خوبانی

حب الوطنی

عمر علوی شاہین

سر والٹر اسکاٹ، اسکاٹ لینڈ کے بہت مشہور مورخوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ان کی ایک کتاب "ٹیلز آف گرینڈ فادرز" کے ایک مقالم کا ترجمہ میں نونہال بہن بھائیوں کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

(شاہین)

جن دنوں انگلستان اور اسکاٹ لینڈ میں جنگ چھڑی ہوئی تھی، انگریزی فوجوں نے اسکاٹ لینڈ کے ایک قلعہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ جس کو اسکاٹ لینڈ کا بادشاہ دشمن کے ہاتھ سے چھڑانے کے لیے بہت کوشاں تھا۔ ایک کسان جو اس قلعہ کے پاس رہتا تھا، اس کے دل میں ایک دن اس کی تسخیر کا خیال آیا۔ قلعہ کے میر نے اس کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ روزانہ گھاس سے بھری ہوئی ایک گاڑی پہنچا دیا کرے۔

ایک دن اس نے اپنے گاؤں کے چند آدمیوں کو قلعہ کے آس پاس کھڑا کر دیا اور خود گھاس لے کر اندر چلا گیا۔ گھاس کے اندر اس نے چند مضبوط آدمیوں کو چھپا دیا تھا۔

اس قلعہ میں جانے کے راستے پر ایک لوہا لگا ہوا تھا جو بوقت ضرورت اوپر کھینچا جا سکتا تھا اور راستہ کھل جاتا تھا، نیز اسے فوراً گرایا بھی جا سکتا تھا اور راستہ بند ہو جاتا تھا۔ جب وہ کسان وہاں پہنچا تو دروازہ کھول دیا گیا، مگر اس نے اپنی گاڑی عین اسی مقام پر پہنچ کر روک لی جہاں پر لوہا گرایا جاتا تھا اور جھپٹ کر پہرہ داروں پر حملہ کر دیا۔ اسی وقت اس کے ساتھی بھی گھاس کے ڈھیر سے نکلے اور تھوڑی ہی دیر میں پہرہ داروں کو قتل کر دیا۔ اسی اثنا میں قلعہ کی چھت پر سے لوہے کا دروازہ گرایا گیا مگر وہ گاڑی تک آ کر رک گیا اور اس کے ساتھ ہی اس کسان کے دوسرے ساتھی باہر سے اس کی مدد کو آ گئے اور چند منٹوں میں قلعہ پر اسکاٹ لینڈ کا جھنڈا لہرانے لگا۔ اس طرح وہ قلعہ فتح ہو گیا جس کے لیے

اسکاٹ لینڈ کا بادشاہ بیس برس تک گرفتار رہا۔ اس کسان کو اس کی بہادری کے صلہ میں اس قلعہ کا میر بنا دیا گیا اور آج بھی یہ قلعہ اس کی ہی اولاد کے قبضے میں ہے۔

ارادہ

مبارک احمد صابر۔ پشاور

آؤ سب اچھے بن جائیں

اچھائی کو سب اپنائیں — باز برائی سے آجائیں
الفت کے ہم دیپ جلائیں — قوم کا بیڑا پار لگائیں
آؤ سب اچھے بن جائیں

ہو اچھا ہر کام ہمارا — دنیا میں ہو نام ہمارا
یہ ہوگا پیغام ہمارا — نیک بنیں، نیکی پھیلائیں
آؤ سب اچھے بن جائیں

دکھیوں کے دل شاد کریں ہم — فکروں سے آزاد کریں ہم
لوگوں کی امداد کریں ہم — اور ان کو راحت پہنچائیں
آؤ سب اچھے بن جائیں

غافل کو بیدار کریں ہم — ہمدردی، ایثار کریں ہم
سچائی سے پیار کریں ہم — صابر کا یہ نغمہ گائیں
آؤ سب اچھے بن جائیں

ہنسو مگر کم

عبدالقیوم شاد، چکوال

مریض:۔ ڈاکٹر صاحب میری بیماری بہت بڑھ گئی ہے کیا کروں؟

ڈاکٹر صاحب:۔ اپنے کفن دفن کا انتظام کرو

فقیر:۔ (راہ گیر سے) بھئی خدا کے لیے ایک آنہ پیسے دو۔

راہ گیر:۔ لینا تو خود ہے مانگتے خدا کے لیے ہو۔

اسلم:۔ (اکرم سے) تم نے اپنے بھائی کو اتنا اوپر بٹھا کر کیوں کھیلنا شروع کر دیا ہے۔

اکرم:۔ اس لیے کہ اگر گرے تو مجھے آواز آجائے۔

"لالہ"

شمسی تھانوی

بھئی تم نے کبھی لالہ کے پھول دیکھے ہیں۔ خوب سرخ اور شاداب ہوتے ہیں۔ چراغ کی طرح لو دیتے ہوئے پھول۔ جن میں سیاہ داغ ہوتے ہیں۔ یہ سیاہ داغ کیوں ہوتے ہیں اس کے بارے میں ایک کہانی سنو!

اونچے اونچے پہاڑوں سے گھری ہوئی پھولوں کی ایک وادی تھی، جہاں ایک شہزادی رہتی تھی۔ پھول رانی۔ اس کے ساتھ بوڑھی ماں اور ماما بھی رہتی تھیں۔ وادی میں چاروں طرف سرخ و سفید زرد اور نیلے پھولوں کے جھرمٹ لگے رہتے تھے۔ پہاڑوں سے جب ٹھنڈی ہوائیں سیر کو نکلتیں تو سارے پھول آپس میں خوب گلے ملتے جھومتے اور گاتے۔

ایک دن یونہی جشن منایا جا رہا تھا۔ پھول رنگا رنگ لباس پہنے ناچ رہے تھے۔ پتے تالیاں بجا رہے تھے۔ اور ہوائیں شاخوں سے لپٹی مزے سے گیت گا رہی تھیں کہ اچانک ایک چیخ کی آواز سے سب سہم کر رہ گئے۔ ایک کالا بھونرا ہانپتا کانپتا پھولوں کی طرف بڑھ رہا تھا اور ایک چڑیا چیخ چیخ کر بھوکے بھونرے کو ہڑپ کرنے کے لیے اس کا پیچھا کر رہی تھی۔

"اچھے پھولو! مجھے بچاؤ! خدا کے لیے مجھے بچاؤ!" بھونرا

ہر ایک پھول کے پاس جاتا اور التجا کرتا۔ لیکن سب ہی پھول حقارت سے منہ پھیر لیتے۔ بھنورا سبھی پھولوں سے باری باری التجا کر چکا تھا اور اب تھک کر گرنے ہی والا تھا کہ اس کے کانوں میں یہ آواز آئی "بھنورے! میرے پاس آجا میں تجھ کو پناہ دوں گا"۔

ایک پھول سرخ لباس پہنے سر پر سرخ کلاہ جمائے پھولوں کے جھرمٹ سے آگے نکل کر اسے بلا رہا تھا۔ یہ لالہ کا پھول تھا۔ بھنورا اڑتا ہوا جلدی سے اس پھول کی گود میں جا گرا اور جب تک چڑیا وہاں پہنچی پھول کی پنکھڑیاں بند ہو چکی تھیں۔ چڑیا یہ دیکھ کر بہت سٹ پٹائی۔ وہ ذرا دیر تک پھول پر منڈلاتی رہی آخر ناامید ہو کر واپس چلی گئی۔

چڑیا واپس ہوئی تو پھول کی پنکھڑیاں آہستہ آہستہ کھلنے لگیں اور بھنورا بھن بھن کرتا خوشی کے گیت گاتا اپنی راہ پر اڑ گیا۔ مگر لالہ کا پھول اب پہلے جیسا نہ رہا تھا۔ اسکی لال لال پنکھڑیوں پر کالے کالے داغ پڑ گئے تھے بھنورے نے اس کا رنگ خراب کر دیا تھا۔

یاسمین نے اپنے سفید بے داغ لباس کو بڑی نفاست سے بھڑکاتے ہوئے کہا "چھی! تمھارے کپڑے بھنورے کو بچانے میں کالے ہو گئے"۔ بیلا۔ جوہی، گلاب۔ گل اشرفی، سبھی نے اپنے لباس کی نفاست اور رنگینی پر اتراتے ہوئے گلِ لالہ کو ملامت کی۔ لیکن اس نے بڑے فخر سے کہا "میں نے ایک مصیبت زدہ کی مدد کی۔ میرے لیے یہی بات بڑی خوشی کی ہے"۔

دوسرے دن پھول رانی کی سالگرہ تھی۔ خوب چہل پہل رہی۔ پھول رانی باغ میں آئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک ڈلیہ تھی۔ بوڑھی ماما ساتھ تھی۔ پھول رانی کو پھولوں کی ضرورت تھی۔ ماما پھول کاٹ کاٹ کر ڈلیہ میں ڈالتی جاتی۔

ذرا ہی دیر میں وادی کے سارے پھول قلم کر لیے گئے۔ اب ایک لالہ کا پھول باقی رہ گیا تھا۔ بوڑھی ماما قینچی لے کر اس کی طرف بڑھی۔ مگر اچانک کالا بھنورا اڑتا ہوا آیا اور ماما کے ہاتھ کے پاس منڈلانے لگا۔

پھول رانی بولی "ماما! رہنے بھی دو۔ ایک لالہ کا پھول نہ بھی ہوا تو کیا فرق پڑتا ہے۔ بھنورا کہیں تمھارے ہاتھ پر نہ کاٹ لے"۔

اس طرح لالہ کا پھول بچ گیا جب کہ سارے پھولوں کی گردنیں کٹ چکی تھیں۔

پاجامہ

رضیہ بیگم۔ راولپنڈی

عید کا چاند نظر آچکا تھا۔ ہر طرف چہل پہل تھی۔ خرید و فروخت کے لیے لوگ بازار آجا رہے تھے۔ مرزا تحسین بھی درزی کے ہاں سے گھر والوں کے لیے کپڑے لے آئے۔ گھر آکر سامان کھولا اور اپنا پاجامہ پہن کر دیکھنے لگے کیونکہ دوسرے دن عید کی نماز کے لیے یہ نیا پاجامہ بھی پہن کر جانا تھا۔

پاجامہ پہن کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ تو چار انگل بڑا ہے۔ پاجامہ لے کر بیوی کے پاس گئے کہ ذرا اسے چار انگل چھوٹا کر دو بیوی اس وقت کچھ کام کر رہی تھیں کہا لیے ناک بھوں چڑھا کر بولیں۔ دیکھتے نہیں کام کر رہی ہوں کسی اور سے کروالو۔

اب پاجامہ لے کر ماں کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ ذرا اسے ٹھیک کر دو ورنہ نماز کے لیے پرانا پاجامہ پہن کر جانا پڑے گا۔ ماں نے بھی انکار کر دیا۔ اب وہ بہن کے پاس لے کر گئے۔ اس وقت وہ اپنی قمیص میں موتی وغیرہ

ٹانک رہی تھیں، بھلا پاجامہ کیوں ٹھیک کریں۔

مرزا تحسین بے چارے مجبوراً چپ ہو کر بیٹھ گئے۔
اب رات ہوئی۔ سب گھر والے سو گئے۔ جب بیگم صاحبہ سونے کے لیے جانے لگیں تو خیال آیا کہ میاں نے پاجامہ ٹھیک کرنے کو کہا تھا کیوں نہ کر دوں۔ چناں چہ پاجامہ کو چار انگل چھوٹا کر کے سو گئیں۔

تھوڑی دیر میں ماں کی آنکھ کھلی۔ سوچنے لگیں بیٹے نے کتنی عاجزی سے پاجامہ ٹھیک کرنے کو کہا تھا کیوں نہ ٹھیک کر دوں ورنہ بے چارے کو نماز کے لیے پرانا پاجامہ پہننا پڑے گا۔ چناں چہ پاجامہ کو چار انگل اور چھوٹا کر دیا اور اطمینان سے سو گئیں۔

اب تھوڑی دیر میں بہن کی آنکھ کھلی سوچنے لگی اب نیند تو آتی نہیں کیوں نہ بھائی کا پاجامہ ٹھیک کر دوں سو پاجامہ چار انگل اور چھوٹا کر دیا گیا۔

دوسرے دن عید تھی۔ مرزا تحسین صبح صبح اٹھے نہا دھو کر کپڑے بدلنے لگے، جب پاجامہ پہنا تو گھٹنوں تک آتا تھا۔

اسی وقت پاجامہ لے کر باہر آئے۔ اس وقت بیوی، ماں، بہن ساتھ بیٹھے تھے۔ انھوں نے آکر ماں سے پوچھا کہ کیا آپ نے پاجامہ ٹھیک کیا تھا۔ وہ بولیں ہاں بیٹا میں نے کیا تھا۔ بیوی بولیں واہ وہ تو میں نے رات کو بیٹھ کر کیا تھا۔ بہن بولیں اے لو جھوٹ کی حد ہوتی ہے وہ تو میں نے ٹھیک کیا تھا۔ ساری وجہ معلوم ہو چکی تھی آخر مرزا تحسین کیا کر سکتے تھے۔ سر پیٹ لیا اور نماز کے لیے بے چارے کو اپنا پرانا پاجامہ پہن کر جانا پڑا اور کر ہی کیا سکتے تھے۔

تصویر

انوار احمد انوار

اسلم میاں آج جب اپنے بھائی جان کے ساتھ سیر کو نکلے تو انھوں نے دیکھا کہ ایک گیارہ بارہ سال کا لڑکا جو بہت ہی میلے کپڑے پہنے ہوئے تھا، ایک غیر ملکی آدمی کے پیچھے پیچھے بھاگا جا رہا ہے، اور اس آدمی سے بڑے خوشامدانہ انداز سے بھیک مانگ رہا ہے، لیکن وہ آدمی اس لڑکے کی طرف دیکھتا بھی نہیں۔ آخرکار جب اس غیر ملکی نے دیکھا کہ یہ بھکاری لڑکا تو پیچھا ہی نہیں چھوڑتا، تو اس نے اُسے دھتکار دیا۔ اسلم کو یہ دیکھ کر بڑا افسوس ہوا۔ اسے اتنی غیرت آرہی تھی کہ جس کی حد نہیں۔ اسلم کو اپنے ملک کے لوگوں کی بے غیرتی دیکھ کر بڑا رنج ہوا تھا۔ ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اب کی بار اس نے ایک بڑھیا کو دیکھا جو ایک انگریز سیاح کی ٹیکسی کے دروازے کو پکڑی کھڑی تھی اور بڑی عاجزی سے بھیک مانگ رہی تھی۔ کافی دیر تک وہ اسی طرح کھڑی رہی۔ اس کا ہاتھ بدستور پھیلا ہوا تھا کہ اس سیاح کے بچے نے ایک ٹافی کھا کر اس کا چمک دار کاغذ بڑھیا کے ہاتھ میں ڈال دیا اور کھلکھلا کر ہنس دیا۔ بڑھیا حسرت سے ایک طرف چلی گئی۔

چونکہ اسلم میاں بڑے غیرت مند اور حساس طبیعت کے آدمی تھے، لہٰذا ان کو اس بات کا بڑا رنج تھا کہ غیر ملکی ہمارے ملک میں آنے کے بعد ہماری پستی کو دیکھ کر کتنا مذاق اُڑاتے ہیں اور ابھی وہ اس سوچ میں غرق تھے کہ انھوں نے گھر واپس جاتے ہوئے دیکھا کہ وہی لڑکا جو تھوڑی دیر پہلے بھیک مانگ رہا تھا، اب سینما کی لائن میں کھڑا ہوا بے چینی سے ٹکٹ کھلنے کا انتظار کر رہا ہے۔ اسلم میاں کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس لڑکے کو اس قدر ماریں کہ بس مزا آجائے۔ مگر وہ اپنے بھائی جان کی وجہ سے خاموش ہو رہے۔
دوسرے دن اسلم میاں اکیلے ہی گھر سے چلے آئے اور آج پھر انھوں نے دیکھا کہ بچے بچیاں اور بڑے بوڑھے بھی بھیک مانگ رہے ہیں۔ جھڑکیاں کھا رہے ہیں اور بے غیرت بنے کھڑے ہیں۔ اسلم کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ ان کو روک دے، انھیں غیرت دلائے اور کہے مانے بے غیرت قوم تجھے کیا ہوگیا تو کس راستے پر چل رہی ہے، تیری غیرت کہاں گئی۔" اسلم کے ننھے سے دماغ میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ وہ ٹہلتے ٹہلتے ایک باغ کی طرف نکل گیا، وہاں پر ایک اور عجیب واقعہ دیکھنے میں آیا کہ ایک افریقی سیاح ایک معذور

(باقی صفحہ ۱۵ پر)

خوں خاں حلوائی

ہنومان پور میں ایک بندر تھا — اُس کا نام خوں خاں تھا، اس نے ایک حلوائی کی دُکان اپنے گاؤں میں کھول رکھی تھی، یہ دکان ایک املی کے درخت کے نیچے تھی اور خوب چل رہی تھی، برفیاں اور جلیبیاں اور لڈو اور گلاب جامنیں اور امرتیاں ہاتھوں ہاتھ بک جاتی تھیں۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ بھگوا گیدڑ خوں خاں کی دکان پر آیا اور کہنے لگا "خوں خاں بھیّا! مجھے پچیس ۲۵ سیر لڈوؤں کی ضرورت ہے، تیار کردو مگر یہ خیال رکھنا اچھّے سے اچھّے لڈو ہوں، کھانے والے ہونٹ چاٹتے رہ جائیں، مزے دار لڈو بناؤ گے تو اس میں تمھارا بھی تو فائدہ ہے۔ اوّل تو یہ کہ میں منھ مانگے دام دوں گا، دوسرے یہ کہ جو ان لڈوؤں کو کھائے گا وہ تمھارے یہاں دوڑا ہوا آئے گا تاکہ تم سے اور لڈو خریدے، اور ایک لڈو ہی کیا تمھاری اور مٹھائیاں بھی خوب بکیں گی، جو اتنے مزے دار لڈو بنا سکتا ہے وہ اور مٹھائیاں بھی ضرور ایسی ہی بناتا ہوگا۔"

خوں خاں: پچیس ۲۵ سیر لڈو! کیا کروگے اتنے سارے لڈو، کیا تمھارے لڑکے کا بیاہ ہے؟

بھگوا نے ہنس کر جواب دیا ہاں بھیّا، چاند کی چودھویں رات کو ہَولا کی بٹیا سے اُس کا بیاہ رچایا جائے گا، یہ تو تم جانتے ہی ہوگے کہ اِس علاقے میں صرف ہَولا ہی ایسا گیدڑ ہے جس کے پاس بیس ۲۰ بیگہ ایکھ کے کھیت ہیں،

خوں خاں: لو بھلا یہ کون نہیں جانتا، مبارک ہو بڑی اچھی لڑکی مل گئی تمھیں اپنے لڑکے کے لیے، ایکھ کے ان کھیتوں پر اب تو تمھارا بھی کچھ تو حق ہو ہی جائے گا۔

بھگوا: یہی سوچ کے تو میں نے یہ بات طے کی ہے، مگر بھیّا میری لاج تمھارے ہاتھ ہے ایسے لڈو بنانا کہ کسی نے کبھی کھائے نہ ہوں، داموں کا خیال نہ کرنا جو کہوگے میں دوں گا۔

خوں خاں ذرا تن کے بیٹھے اور اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر بولے "دیکھو بھگوا تم جانتے ہی ہوکہ ہمارے یہاں مٹھائی ہمیشہ بہت عمدہ بنتی ہے، مگر تمھارا معاملہ بالکل اپنے گھر کا معاملہ ہے،

تم پر بات آئے گی تو خود خوں خاں پر بات آئے گی تم اطمینان رکھو ایسے لڈو بنیں گے کہ سارے گاؤں میں کبھی کسی نے نہ کھائے ہوں گے، داموں کا کیا ذکر ہے تم جو جی چاہے دے دینا، اور اگر کچھ نہ بھی دو گے تو کیا ہرج ہے۔گھگو جیسے تمھارا لڑکا ویسے ہی میرا لڑکا ہے۔اتنی بات ضرور ہے کہ آج کل ہر چیز مہنگی ہے، ایسا زمانہ آگیا ہے بھیا کہ کچھ کہہ نہیں سکتے، اصلی گھی کا تو کہیں پتہ نہیں میں نے کلوئے خاں بھینسے کی گھروالی سے معاملہ کر لیا تھا، وہ دس سیر دودھ مجھے روزدے جاتی تھی اور بیس سیر کا انتظام اور کہیں نہ کہیں سے ہو جاتا تھا، اسی سے تمھاری بھابی گھی تیار کرلیتی تھی، جب سے کلوئے خاں پر مصیبت ٹوٹی ہے اُس کی گھروالی دودھ نہیں لاتی،

بھگوا: ارے کلوئے خاں پر مصیبت کیسی، اُس نے تو ایسا اودھم مچا رکھا تھا کہ کل چھجے خاں شیر تک اُس سے کانپتے تھے، بتاؤ تو کیا ہوا؟

خوں خاں: کیا تم افیم کھانے لگے ہو کہ اتنا بڑا واقعہ ہو گیا اور تمھیں خبر تک نہیں۔ اس واقعہ کی خبر تو انسانوں تک پہنچ گئی اور میر باقر علی نے اس کی پوری داستان بنالی ہے اور اُسے جگہ جگہ مزے لے لے کر سنا رہے ہیں۔بات یہ ہوئی کلوئے خاں کی گھروالی کی پیٹھ پر ہوئی کھجلی، اُس نے بچھوا تالاب کے کنارے والے پیڑ کے تنے سے اپنی پیٹھ رگڑ دی۔اُس پیڑ پر تھا ایک پدّے کا گھونسلا، پیٹھ رگڑنے سے پیڑ کا تنا ہلا اور پیڑ کے اوپر جیسے بھونچال آگیا ہو، پدّے کے بچے ڈر کے مارے کانپنے لگے، پدّا تو کہیں دانا دنکا چگنے گیا تھا، پدّی گھر میں تھی، پہلے تو اس نے بچوں کو سینے سے لگا کر "جل تو جلال تو آئی بلا کو ٹال تو" پڑھنا شروع کیا مگر جب دیکھا کہ جھٹکے کسی طرح رکتے ہی نہیں، تو سوچنے لگی کہ چل کے دیکھنا تو چاہیے، یہ قیامت کیا ہے، پھدک کے گھونسلے سے باہر آئی۔ کلوئے کی جورو کا یہ ظلم دیکھ کر غصّے کے مارے اس کا برا حال ہو گیا، جی میں تو آیا کہ اس کا علاج کرے، مگر یہ سوچ کر کہ وہ گھر پر ہیں نہیں — اپنا ارادہ بدل دیا، آخر بھینس کو مخاطب کر کے بولیں، "واہ بی بی واہ! تم نے تو حد ہی کر دی، کچھ خبر بھی ہے کہ تمھاری اس حرکت سے پیڑ کے اوپر بھونچال آگیا ہے، آخر پیڑ پر ہمارا گھونسلا ہے، ہمارے بچّے ہیں اور جو گھونسلا ٹوٹ کر گر جاتا تو مفت میں ہمارے بچوں کی جان جاتی۔ وہ تو بڑی خیر یہ ہوئی کہ اس وقت وہ گھر میں نہیں ہیں، ورنہ ابھی خون خرابے ہو جاتے۔ بڑا جنونی مردوا ہے۔ میرا ہی دم ہے کہ ایسے جلّاد کو جھیل رہی ہوں، اب آتا ہی ہو گا خیریت اسی میں ہے کہ اپنے گھر کو سدھارو" مگر تم جانتے ہی ہو کلوئے خاں کی گھروالی کیسی ٹھس واقع ہوئی ہے، اس پر کچھ اثر نہ ہوا، پدّی جب جھک مارتے مارتے ہار گئی تو یہ سوچ کر اپنے گھونسلے میں آلیٹی کہ آج انھیں آنے دو ایسا ٹھیک کراؤں گی کہ چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا۔

جب میاں پدّے آئے تو بھینس کھجا کھجو کے جا چکی تھی۔ گھونسلے میں پہنچے تو دیکھا کہ بچّے الگ سہمے پڑے ہیں، بیوی الگ اٹوائی کھٹوائی لیے پڑی ہے۔ کہنے لگے "بیگم خیر تو ہے، یہ تم چُپ کیوں پڑی ہو، جی کیسا ہے؟" پدّی تو بھری بیٹی ہی تھی تڑخ کر بولی "اب اس جنگل میں یا تو ہم ہی رہیں گے یا کلموا بھینسا، غضب خدا کا ایسی توہین میں برداشت نہیں کر سکتی۔" سارا حال سن کر میاں پدّے کو بہت تاؤ آیا، بولے اس جوڑے نے ہمیں سمجھا کیا ہے، ذرا سی طاقت جسم میں کیا آگئی زمین پر پاؤں رکھنا چھوڑ دیا، ابھی جاتا ہوں اگر دونوں نے آکر تمھاری خوشامد نہ کی تو جب ہی کہنا۔ دیکھو اچھی طرح ناک رگڑوائے بغیر معاف نہ کرنا، یہ کہہ کر غصّہ میں بھرے ہوئے میاں پدّے جو گھونسلے سے باہر نکلے تو ہوا کے دوش پر سوار جیسے تیر کمان سے نکلے، دور جا کر نظر جو اٹھائی کلموئے خاں بے غل و غش چرنے میں مصروف تھے آپ اُچک کے اس کے سینگ پر جا بیٹھے اور للکارے کہ کیوں جی یہ جنگل کیا صرف تمھاری ہی جاگیر ہے کہ ـــ تم ـــ جسے چاہو ـــ وہ یہاں رہے ـــ اور ـــ جسے چاہو نہ رہے، آخر کچھ دوسروں کا بھی اس جنگل پر حق ہے یا نہیں جو تم چاہو گے ہوگا خواہ دوسرے مریں کہ جئیں۔ کلموئے خاں نے ایسے لفظ کبھی شیر سے بھی نہ سنے تھے، بھڑک کر بولے "تو کون ہے، اور کیا بکتا ہے؟" اس پر پدّے نے سارا قصہ سنایا اور کہا "تم اور تمھاری بیوی ابھی چل کر میری بیوی سے معافی مانگو۔" بھینسے نے جواب دیا "یہ سب کیا بکواس ہے، کیا تو کیا تیرا شوربا بھاگ یہاں سے۔ شیر کے بل پر کود رہا ہوگا۔ جا کے شیر سے فریاد کر دیکھیں وہ ہمارا کیا بگاڑ لے گا۔" پدّے نے جواب دیا۔ "فریاد وہ کرے جس کو اپنی طاقت پر بھروسا نہ ہو، ہم اپنی طاقت کے بل پر تم سے معافی منگوانے آئے ہیں۔" بھینسے نے جواب دیا، "پھر کر لے جو ـــ تجھ سے ہو سکے۔" میاں پدّے سینگ پر تو بیٹھے ہی تھے سینگ سے جو پھدکے تو بھینسے کے کان میں، اس نے جو کان پھڑپھڑائے تو یہ دو قدم اور آگے کھسک گئے، یہاں تک کہ دماغ کے پردے تک پہنچ گئے۔ بھینسے کا بُرا حال ہو گیا سر پٹکنے لگا۔ آخر کو بے قرار ہو کر اس نے اپنی گھر والی کو آواز دی۔ وہ دوڑی ہوئی آئی۔ بھینسے نے اس سے اپنی مصیبت کا حال بیان کیا اور کہا کہ کمبخت جلدی چل کے پدّی سے معافی مانگ نہیں تو میرا دم نکلا۔ غرض دونوں دوڑے دوڑے آئے، پدّی سے ہاتھ جوڑ کے معافی مانگی۔ پدّی نے ہزار نخروں کے بعد معاف کیا تو میاں پدّے کان سے اکڑتے ہوئے نکلے اور دونوں کو حقارت سے دیکھتے ہوئے اپنے گھونسلے میں جا بیٹھے۔ یہ ہے کلموئے خاں کی مصیبت کا حال۔ جس روز سے یہ واقعہ ہوا ہے انھوں نے اکڑ اکڑ کے چلنا چھوڑ دیا ہے اور اُن کی گھر والی تو نظر ہی نہیں آتی۔

بھگوا : بھئی خوں خاں تم نے یہ ایسا مزے دار واقعہ سنایا کہ جی خوش ہو گیا۔ میں بھی تو کہوں یہ کلوٹے خاں آج کل تھوتھنی لٹکائے سست سست کیوں پھرا کرتے ہیں۔ میں نے سمجھا تھا کہ شاید کچھ طبیعت خراب ہو۔ مجھے کیا خبر تھی کہ میاں پدّے نے ان کی ساری شیخی کان کے رستے نکال دی ہے۔ شادی میں پھلوا مور کا ناچ کروانے کا ارادہ ہے۔ ان دونوں میاں بیوی کو بھی بلاوا بھیجوں گا، دیکھو آتے ہیں یا نہیں۔

خوں خاں : میں تو جانوں نہیں آئیں گے۔ بھئی ناچ میں ہمیں ضرور بلانا۔ پھلوا مور کا کیا کہنا ہے۔ ایسا ناچتا ہے کہ روح جھومنے لگتی ہے، اور ہاں گانا کون گائے گا؟

بھگوا : گانے کے لیے شیاما اور رکنیری کی ٹولیوں کو بلوایا ہے۔

خوں خاں : بھئی کیا کہنا ہے، بس مزا آجائے گا۔

بھگوا : اچھا بھئی، اب میں جارہا ہوں، تم لڈو بنانے کی تیاری شروع کرو۔ ایسا نہ ہو کہ وقت پر نہ مل سکیں۔

خوں خاں : بھلا ایسا کیوں کر ہو سکتا ہے، تم اطمینان رکھو پرسوں صبح اسی وقت آجانا تمھیں لڈو تیار ملیں گے،

خوں خاں نے اپنے نوکروں کے ساتھ مل کر بڑی محنت سے لڈو تیار کیے۔ ان میں زعفران اور کیوڑہ اور پستے اور بادام سب ہی کچھ ڈالا۔ خوں خاں سوچنے لگا کہ بھگوا نے یا اُس کے باپ نے یا اُس کے باپ کے باپ نے بھی کبھی ایسے لڈو نہ کھائے ہوں گے۔

لڈوؤں پر چاندی کے ورق لپیٹنے اور انھیں پانچ پانچ سیر کی ٹوکریوں میں ترتیب سے لگانے میں آدھی رات تک خوں خاں کو کام کرنا پڑا۔

اگلے دن صبح کو جب سو کر اٹھا تو یہ دیکھ کر سخت فکر مند ہوا کہ ان میں سے ایک ٹوکری غائب تھی۔ خوں خاں رات کو سوتے وقت کھڑکی بند کرنی بھول گیا تھا، چور اسی کھڑکی سے ٹوکری اڑا لے گیا۔

ٹوکری کا پتہ لگانا ضروری تھا، جیسے ہی سورج نے سامنے والے پیپل کے پتوں میں سے جھانکنا شروع کیا، بھگوا لڈو لینے آجائے گا۔

خوں خاں نے ایک ترکیب سوچی۔ اس نے ایک ڈاڑھی لگائی اور بھیس بدل کر مٹھائی کی ایک تھالی سر پر رکھ مٹھائی بیچنے نکلا۔ اُسے یقین تھا کہ جو اِس مٹھائی کو خریدنے سے انکار کرے گا اس کے پاس ضرور اس مٹھائی سے اچھے لڈو موجود ہوں گے۔ اُس نے پہلے لُلو خرگوش کے دروازے پر آواز لگائی، خرگوشنی دروازہ کھول کے بولی،" برفی ہے؟ آدھا سیر برفی

تول دو۔" دوسرا گھر کالو کوّے کا تھا، اس کی بیوی نے جتنی جلیبیاں خوں خاں کے پاس تھیں سب خرید لیں - اسی طرح وہ ہر دروازے پر پہنچا اور سب نے اس سے کچھ نہ کچھ خریدا۔ آخر وہ بھوری نامی لومڑی کے دروازے پر جا نکلا، بھوری دروازے کے باہر والے صحن ہی میں کھڑی ہوئی تھی - خوں خاں نے اُسے دیکھ کر آواز لگائی" مٹھائی والا" بھوری نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے آگے بڑھنے کو کہا اور بولی" آج مجھے مٹھائی کی ضرورت نہیں ہے"

خوں خاں نے پاس پہنچ کر اُس سے پوچھا"کیوں ضرورت نہیں ہے تمھیں مٹھائی کی، شاید اس لیے کہ رات تمھارا لڑکا لڈوؤں کا ایک ٹوکرا لایا ہے"۔

بھوری نے جواب دیا" تمھیں کیوں کر معلوم ہو گیا؟"

خوں خاں: چلو اب تو تم نے خود ہی قبول لیا، یہ بتاؤ کہ تم نے اس ٹوکری میں سے کتنے لڈو کھائے ہیں۔

بھوری نے گھبرا کر کہا" ایک بھی نہیں، ہم نے ٹوکری چھپا کر رکھدی ہے، ارادہ یہ تھا کہ رات کو کھائیں گے" خوں خاں بولے،" ٹھیک ہے، اب تم یہ بتاؤ کہ تم سیدھی طرح لڈوؤں کی ٹوکری مجھے دو گی یا مجھے موتی کتّے کو بلانا پڑے گا" بھوری موتی کا نام سن کر بہت خوف زدہ ہو گئی اور پیپل کے پتوں میں سے سورج کے جھانکنے سے بہت پہلے خوں خاں لڈوؤں کی ٹوکری سر پر رکھے ہوئے اپنی دکان پر پہنچ گئے۔

جمّی اور بانو کرنوں کی گاڑی میں بیٹھ کر دھیرے دھیرے زمین پر آرہے تھے ان کے ننھے ننھے دل خوشی سے دھڑک رہے تھے۔ ان کی ہلکی پھلکی گاڑی بادلوں سے آنکھ مچولی کھیلتی ہوئی چلی جا رہی تھی۔ دفعتاً بانو نے ایک خوشی کا نعرہ بلند کیا۔

بھیّا دیکھو دھنک، وہ کمان! کیا کہتے ہیں اس کو ایک اور لفظ بھی ہے اس کے لیے۔

"قوس قزح" کرنوں نے دھیمے سے جواب دیا۔

کیا ہم اپنی گاڑی اس کے اندر سے لے جا سکتے ہیں؟ یہ تو بڑی خوب صورت کمان ہے، رنگ برنگے بادلوں نے خود اس کو سجایا ہے۔ ہم اس میں سے ضرور گزریں گے میرا خیال ہے اس کا دوسرا سرا ضرور کسی پہاڑ پر رکھا ہوا ہے۔ بانو نے پھر کرنوں سے سوالات شروع کر دیے۔

بانو تم پھر فضول خواب دیکھنے لگیں یہی آسمان کے متعلق سمجھے تھے لیکن کچھ بھی نہ نکلا۔ اس چاند ہی کو دیکھ لو ہم کو کتنا حسین سمجھے تھے اور کیا ملا اگر یہی حال اس دھنک کا ہوا تو کیا ہوگا؟ جمّی نے مایوسی سے کہا۔

تم سچ کہتے ہو جمّی۔ چاند کا تو خیر وجود بھی تھا لیکن یہ دھنک تو نگاہوں کے دھوکے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ بانو بولی۔ دیکھا میں نہ کہتی تھی کہ یہ "فراڈ" ہوگا۔ کیسی خوب صورت نظر آتی ہے دیکھنے میں دل چاہتا ہے کہ بس دیکھے چلے جاؤ سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ آخر یہ بنتی کیسے ہے جب موجود نہیں تو دکھائی کیسے دیتی ہے۔ جمّی نے کہا

یہی تو حیرت انگیز بات ہے بنتی نہیں ہے لیکن نظر آتی ہے، ہوتی ہے مگر نہیں ہوتی، کرنوں نے کہا۔

یہ تو پھر سب سے زیادہ مصیبت کی چیز ہے۔ جمّی بولا۔

مصیبت کا کیا سوال ہے ذرا غور کرو یہ ہمیشہ ایسے وقت دکھائی دیتی ہے جب آسمان پر بادل چھائے ہوں اور دھوپ ان میں آنکھ مچولی کھیل رہی ہو۔ بارش ہونے والی ہو یا بارش کے بعد جب آسمان کھل گیا ہو اور بادل چھٹنے شروع ہو گئے ہوں بالکل صاف آسمان پر یا خوب کالی گھٹا میں یہ نظر نہیں آتی۔ کرنیں بولیں۔

اور میں نے تو اس کو رات کو بھی نہیں دیکھا۔ جمّی بولا۔

شاباش بہت اچھا مشاہدہ ہے تمہارا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ دھنک کا سورج کی کرنوں سے کوئی تعلق ہے

کرنوں نے کہا ہاں یہی کچھ ہوگا چاند کی کرنوں میں بھی وہی وہ تھیں اور اب دھنک میں بھی وہی وہ ہوں گی۔ بانو بولی۔
دھنک اور چاند پر ہی کیا موقوف ہے تمھاری یہ ساری دنیا، پوری کائنات ہم کرنوں ہی سے توانائی اور حرارت لیتی ہے۔ پودے اور جانور ہمارے ہی دم سے نمو پاتے ہیں۔ کرنیں بولیں۔
یہ تو میں مانتا ہوں لیکن یہ سب ایسی چیزیں ہیں جن کو ہم دیکھ کر اور چھو کر معلوم کرسکتے ہیں لیکن دھنک کوئی ایسی شئے نہیں ہے تو پھر آخر کیسے بنتی ہے۔ جمی نے کہا۔
ہم بھی یہی سوچ رہے ہیں کہ یہ نازک بات تم کو کیسے سمجھائیں۔ اچھا ٹھہرو۔ ایک مثال ذہن میں آگئی ہے۔ تم نے کبھی کوئی بڑا سا نگینہ یا تکونہ سا بڑا شیشہ کا ٹکڑا دیکھا ہے جس کے چار پانچ پہلو ہوتے ہیں؟
ہاں ہاں دیکھا ہے وہ بڑا سا موٹا نگینہ جو مکان کی چھتوں کے فانوس میں لٹکتا ہے۔ بہت سے ویسے شیشے کے ٹکڑے ہوتے ہیں ہم لوگ اس کو ہیرا کہتے ہیں جمی نے خوشی سے چیختے ہوئے کہا۔
ہیرا تو خیر وہ نہیں ہے۔ ہیرا تو اس کو تم ہی لوگ کہتے ہو، بہر حال مطلب تم سمجھ گئے ہو ویسا کوئی شیشہ تم نے کھیل کھیل میں آنکھ میں لگا کر دیکھا ہے۔ کرنوں نے پوچھا۔
ہاں ہم اس سے اکثر کھیلے ہیں، اس کے اندر سے جب ہم اپنے گھر کو دیکھتے ہیں تو دیوار، پیڑ، کھڑکیاں، ہر چیز رنگین نظر آتی ہے اور یہ رنگ کناروں پر ہی ہوتا ہے۔
بس بس یہی میرا مطلب تھا اب تم آسانی سے سمجھ سکو گے اب ذرا غور کرو کہ اس شیشے سے دیکھنے پر ہر چیز رنگین کیوں نظر آتی ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ سورج کی ہر کرن یا روشنی کی ہر کرن سات رنگوں سے مل کر بنتی ہے جب یہ منشور یا کسی سفید نگینے میں سے گزرتی ہے تو اس کے سات رنگ بکھر جاتے ہیں اور ہر وہ شئے جو سفید ہے سات رنگوں والی نظر آتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لو کہ روشنی کی ہر کرن سات رنگ میں منتشر ہوتی یا بکھر جاتی ہے اور ایک سفید سی کرن کے بجائے تم کو سات رنگین کرنیں دکھائی دیتی ہے۔ کرنوں نے کہا۔
ہاں، لیکن یہ تو شیشے کی بات ہوئی آسمان کو ہم شیشے سے تھوڑی دیکھتے ہیں۔ دھنک تو بغیر شیشے کے دکھائی دیتی ہے، جمی بولا۔
تو میں نے کب کہا کہ تم دھنک کو رنگین شیشے سے دیکھتے ہو۔ میں تو تم کو بس یہ سمجھا رہی تھی کہ جب کوئی کرن شش پہلو شیشے میں سے گزرتی ہے تو سات رنگوں میں بکھرتی ہے چناں چہ پانی کے قطرے بھی بعض بعض مرتبہ ایسے ہی شیشوں کا کام دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کسی بڑے سے برتن، ٹب یا حوض میں پانی بھرا ہوا ہے اور اس میں چکنائی، گھی، تیل وغیرہ ذرا سا پڑ جائے اور اس پر سورج کی کرنیں پڑ رہی ہوں تو تم کو پانی کی سطح پر سات رنگ دھنک والے نظر آئیں گے۔ کرنوں نے کہا۔
ہاں ہاں نظر آتے ہیں جب کبھی بانو حوض میں کھانا کھانے کے بعد اپنے چکنے ہاتھ ڈبو دیتی ہے تو روشنی میں حوض کی سطح پر ترتیب سے دیکھنے پر رنگ نظر آنے لگتے ہیں، جمی بولا۔

چکنے ہاتھ تم ڈبوتے ہو یا میں کتنی بار آپا نے تم کو ڈانٹا ہے۔ بانو بولی۔

میں حوض میں ہاتھ ڈبوتا ضرور ہوں لیکن چکنے نہیں۔ جمی نے کہا۔

اوہو، اب تم لڑائی پر تیار ہو گئے بھائی۔ بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ کرنوں نے کہا۔ جمی اور بانو پھر ادھر متوجہ ہو گئے۔

ہاں تو نتیجہ اس مثال سے یہ نکلا کہ اگر ایک خاص زاویئے سے دیکھا جائے تو پانی کے قطرے بھی سورج کی کرنوں کو سات رنگ میں بکھیر دیتے ہیں چکنائی کے قطروں میں یہ رنگ بہت آسانی سے دکھائی دیتے ہیں کیوں کہ وہ پانی کی سطح پر ہوتے ہیں۔ پانی چوں کہ اوپر سے نیچے تک بھرا ہوتا ہے اس لیے پانی کے قطروں میں یہ سات رنگ اس وقت تک نہیں دکھائی دے سکتے جب تک کہ پانی کے قطرے ہوا میں معلق نہ ہوں، کرنوں نے کہا۔

اسی وجہ سے دریا کے کنارے بڑے سے بلبلے میں بھی یہ سات رنگ دکھائی دیتے ہیں جمی بولا۔

اور صابن کو گھول کر جب ہم کاغذ یا شیشے کی نلکی سے غبارے اڑاتے ہیں تو ان میں بھی یہی سات رنگ نہایت خوب صورتی سے دکھائی دیتے ہیں۔ بانو بولی۔

شاباش، بانو! زمین پر پہنچتے پہنچتے تم بھی ماشا اللہ کافی ذہین ہو گئی ہو۔

صابن کے کف سے بنے ہوئے یہ غبارے واقعی رنگین ہوتے ہیں یا رنگین دکھائی دیتے ہیں، کرنوں نے کہا۔

رنگین ہوتے تو صابن کا کف یا جھاگ بھی رنگین ہوتا۔ یہ تو بس بڑے ہونے کے بعد رنگین دکھائی دیتے ہیں۔ جمی نے کہا۔

بس اب تم اچھی طرح سمجھ گئے۔ جب جھاگ کے یہ بلبلے یا غبارے بڑے ہوتے ہیں تو سورج کی روشنی ان میں منتشر ہو کر سات رنگ میں بکھرنے لگتی ہے یہی حال قوس قزح کا ہے۔ میں تمھیں بتا چکی ہوں کہ پانی کے ننھے منے قطرے بادلوں میں معلق رہتے ہیں ان پر جب سورج کی روشنی پہنچتی ہے تو سات رنگوں میں منعکس ہو جاتی ہے اور جب ہم اس کو دیکھتے ہیں تو یہ دور تک ایک کمان کی شکل میں نظر آتی ہے، کرنوں نے کہا۔

لیکن یہ گول ہی کیوں ہوتی ہے؟ جمی نے کہا۔

اس لیے کہ تمھاری زمین گول ہے تم آسمان یا زمین کی جس چیز کو دیکھتے ہو گول دائرہ ہی تمھاری نظروں کی حد ہوتا ہے۔ تمھاری نظروں کی حد میں افق وہ مقام ہے جہاں آسمان زمین سے ملتا ہوا دکھائی دے حالاں کہ آسمان کبھی زمین سے نہیں ملتا اسی وجہ سے دھنک کا ایک سرا پہاڑ یا زمین پر لگا ہوا معلوم ہوتا ہے کرنوں نے کہا۔

اب تو ہم بالکل زمین کے قریب آگئے ہیں، جمی بولا۔ اب وہ ریڈیو سن سکتے تھے ان کو معلوم تھا کہ مئی کا مہینہ ہے اور ۱۹۵۹ء ہے۔ ان کو زمین سے نکلے ہوئے ایک سال ہو رہا تھا ایک طرف ان کو گھر پہنچنے کی خوشی تھی دوسری طرف کرنوں کا ساتھ چھوڑنے کا رنج۔

اتنے میں ایک تارا ٹوٹا۔ بظاہر بانو اور جمی کی گاڑی اس سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔ ٹوٹا ہوا تارا تیزی سے زمین کی طرف جانے لگا۔ جمی اور بانو ایک دوسرے کو سہم کر دیکھنے لگے۔

ارے اتنی سی بات میں تم لوگ گھبرا گئے یہ تو شہاب ثاقب ہیں دن رات خدا جانے کتنے ایسے تارے ٹوٹتے ہیں دن کو سورج کے آگے ان کی روشنی ماند ہوتی ہے اس لیے صرف رات کو نظر آتے ہیں۔ دراصل یہ سیاروں ستاروں یا دیگر اجرام فلکی سے ٹوٹے ہوئے بڑے بڑے ٹکڑے ہیں جو زمین کی کشش کے اندر آگئے ہیں۔ لیکن یہ تو بالکل آگ کی طرح دہک رہے تھے۔ جمی بولا۔

ہاں ہاں دہک رہے تھے تو اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے؟ اب ہم زمین کے بالکل قریب پہنچ گئے ہیں۔ تم کو معلوم ہے کہ زمین کے اطراف دور دور تک آکسیجن (جلانے والی گیس) پھیلی ہوئی ہے جب کوئی تیز رفتار شہاب ثاقب یا (METEORITE) آکسیجن کے خطے میں آتا ہے تو اپنی تیز رفتاری کی وجہ سے بھڑک اٹھتا ہے وہ سرعت کے ساتھ جلتا ہے اور زمین کی سطح پر پہنچتے پہنچتے خاک ہو جاتا ہے۔

تو گویا زمین تک صرف ان کی خاک پہنچتی ہے اور آگ کا گولہ ختم ہو جاتا ہے؟ جمی نے کہا۔

ہاں یہی ہوتا ہے، ورنہ بڑی تباہی پھیل جاتی۔ سچ پوچھو تو شہاب ثاقب اپنے اصلی روپ میں بہت کم گرے ہیں۔ یعنی یہ اتنے وزنی اور بڑے تھے کہ آکسیجن ان کے جسم کو پورے طور پر نہ جلا سکی اور زمین پر پہنچنے پہنچنے تک ان کا جسم باقی رہا۔ چناں چہ ایڈمرل پیری نے جب قطب شمالی کا سفر کیا تو اس کو وہاں سے بہت سے شہابیے یا (METEORITES) ملے۔ روس کے علاقے میں ان کے گرنے سے کافی نقصان ہوا اور چین کی قدیم کہانیوں میں بھی ان کا ذکر ملتا ہے۔ کرنیں بولیں۔

تو کیا آپ ہم کو وہ چینی کہانیاں سنائیں گی جن میں ان شہابیوں کا ذکر ہے، بانو بولی۔

اب کہانیوں کا وقت نہیں ہے، ہم زمین کے بالکل قریب پہنچ چکے ہیں ہمارا اور تمھارا ساتھ تھوڑی دیر اور ہے۔ تم دونوں واقعی بہت ذہین اور سمجھدار بچے ہو کائنات کے بہت سے راز تم کو زمین پر ہی معلوم ہوں گے۔

جمی اور بانو کے دل کرنوں سے جدائی پر رنجیدہ تھے ادھر گھر پہنچنے کی خوشی بھی تھی۔ کرنوں نے ان پر ایک نظر ڈالی اور پھر کہا۔

چلتے چلتے ہم تم کو ایک تحفہ دیتے ہیں وہ یہ جادو کا لفافہ ہے اس کو زمین پر پہنچ کر پھل، پھول، درخت، پانی، زمین، پہاڑ جس چیز پر تم ہمارا نام لے کر رکھ دو گے وہ اپنی داستان اور حالات خود بخود تم کو سنانے لگے گا۔ لیکن یہ کیسے ہوگا؟ جمی اور بانو نے خوشی اور حیرت سے کہا۔ یہ سب کچھ سورج دیوتا کے حکم سے ہوگا دنیا کے چپے چپے پر ہماری کرنیں دن بھر چمکتی رہتی ہیں۔ ان کو معلوم ہے کہ اگر کوئی ہمارا خط لے جائے اور ہمارا نام لے کر ان سے سوال کرے تو ان کو کیا جواب دینا چاہیے، کرنوں نے کہا — تو کیا اب پہاڑ ہم سے باتیں کریں گے، دریا ہم کو اپنی کہانی سنائیں گے، درخت ہم سے بولیں گے۔ جمی نے حیرت سے کہا۔

ہاں ہاں یہی سب کچھ ہوگا۔ تم یہ جادو کا خط رکھ لو۔ وہ دیکھو اب تو تمھارا مکان نظر آرہا ہے۔ تھوڑی دیر آرام کر کے تم زمین، دریا، پہاڑ سب کی کہانیاں ان ہی کی زبانی سن لینا۔
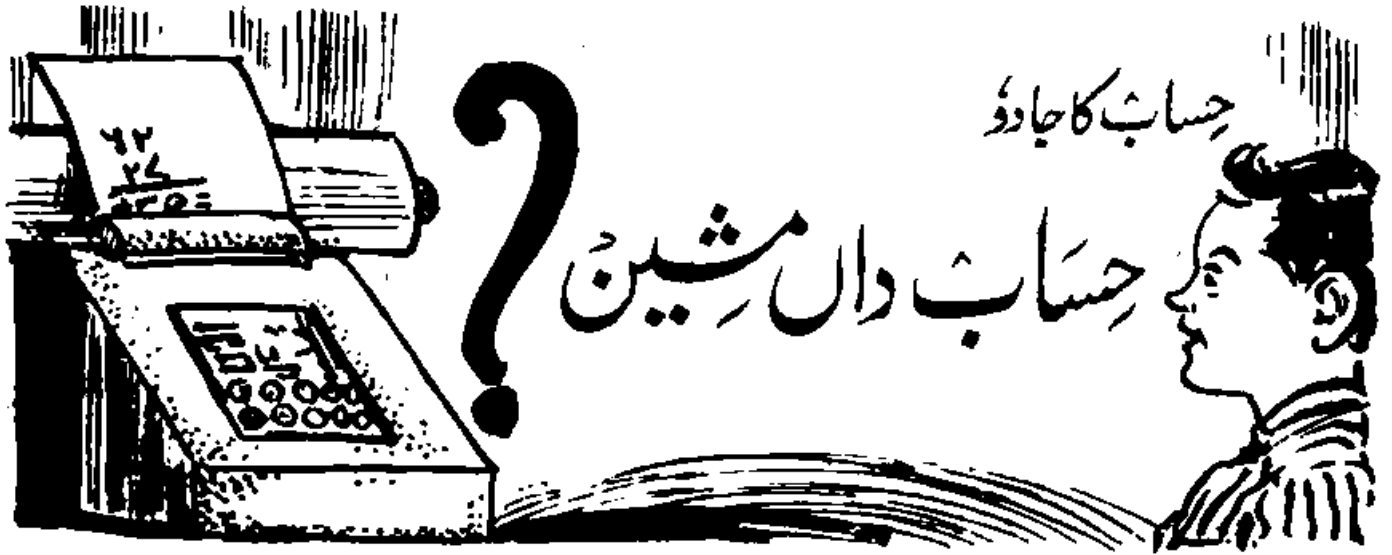
حساب داں مشینوں کا ذکر تم نے سنا ہوگا، ممکن ہے کوئی حساب داں مشین تم نے دیکھی بھی ہو، آج کل اس قسم کی مشینوں کا بڑا رواج ہے۔ اگر تم کسی حساب داں مشین کے اندر جھانک کر دیکھو تو تمھیں بڑی الجھن معلوم ہوگی، پیچ در پیچ تاروں کا ایک بکھیڑا ہوتا ہے، اگر ان تاروں کو کھول کر پھیلا یا جائے تو ایک ہی مشین کے تار پانچ چھے میل تک پھیل جائیں گے۔

یہ سمجھنے کے لیے کہ یہ مشین کس طرح کام کرتی ہے ہمیں اس کا بنیادی اصول سمجھ لینا چاہیے۔ آج اس اصول کا ابتدائی جز ہم تمھیں بہت آسان زبان میں اور اس کو بہت ہلکا کر کے سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔

پہلے یہ سمجھ لو کہ ریاضی کے سب عمل یعنی تفریق، ضرب، تقسیم، جمع کی شکل میں تبدیل کیے جاسکتے ہیں، مثلاً ایک آسان سا تفریق کا سوال ہے، ۶۲ میں سے ۲۷ گھٹاؤ، مشین اپنی خود حرکی سے ۲۷ کا تکملہ مہیا کرتی ہے یعنی ۲۷ اور ۱۰۰ کا فرق جو ۷۳ ہے اب صرف یہ کرنا ہے کہ ۷۳ کو ۶۲ میں جمع کر دیا جائے۔ ان دونوں عددوں کو جمع کیا تو ۱۳۵ ہوئے، مشین اپنی خود حرکی سے اس عدد کے بائیں طرف والے ہندسے کو ترک کر دیتی ہے، اس طرح ۳۵ باقی رہ جاتا ہے، یہی جواب ہے۔

ضرب کے متعلق تم جانتے ہو کہ وہ جمع کا ایک سلسلہ ہے، جیسے تقسیم تفریق کا ایک سلسلہ ہے، حساب کی مشین کا انحصار جمع کے عمل پر ہے۔ اس مشین میں عشری نظام کے بجائے دُہرا یا جوڑے دار نظام استعمال کیا جاتا ہے، عشری نظام کی بنیاد دس کی علامت پر ہے اور معیاری پیمانہ دس کی اکائیوں سے ظاہر کیا جاتا ہے، دس، سو، ہزار، دس ہزار وغیرہ جوڑے دار نظام میں صرف دو علامتیں ہیں صفر (۰) اور (۱)، ہر جوڑے دار نمبر جوڑوں میں اور جوڑوں کے جوڑوں میں ظاہر کیا جاتا ہے، جوڑے دار نظام کی علامتوں میں صفر کو (۰) سے اور ایک کو (۱) سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ اس نظام کی عشری نظام سے صرف اتنی ہی مشابہت ہے، ۲، جوڑے دار نظام میں ۱۰ ہو جائے گا۔ ۳، اس نظام میں ۱۱ لکھا جائے گا ۴، اس نظام میں ۱۰۰ اور ۵، ۱۰۱ لکھا جائے گا۔

جوڑے دار نظام برقی تکنیک کے لیے بہت ہی موزوں ہے۔

برقی تکنیک میں صرف دو متبادل صورتیں ہو سکتی ہیں، یا تو رو منقطع ہے اس صورت میں اس کا عمل (۰) ہے یا وہ کھلی ہوئی ہے، اس صورت میں عمل (۱) ہے۔

جہاں یہ بات تمھاری سمجھ میں آئی تم پر فوراً وہ حیرت انگیز ترکیب کے راستے جو مشین اختیار کرتی واضح ہو جائیں گے، وہ صرف جمع کرتی ہے اور جوڑے دار نظام کی مدد سے جمع کرتی ہے۔

ہمدردِ نونہال

اور ہمدرد صحت اور ہمدرد میڈیکل ڈائجسٹ مندرجہ ذیل ایجنسیوں سے مل سکتا ہے۔ اپنے شہر کی ایجنسی سے یہ رسائل خریدئیے

عبدالسلام صاحب جالندھری
نیوز پیپر ایجنٹ۔ گھنٹہ گھر۔ لائل پور

احمد یار خاں صاحب کانپوری
فلمی بک اسٹال۔ نزد رائل ٹاکیز۔ لاڑکانہ (سندھ)

مفتی سمیع الدین صاحب
سمیع ایجنسیز۔ جناح اسٹریٹ۔ پشاور صدر

اللہ رکھا صاحب نیوز ایجنٹ
صدر بازار۔ نوشہرہ کینٹ۔ ضلع پشاور

میسرز کیپٹل نیوز ایجنسی۔ بہاولپور

میسرز راجہ برادرس
بکسیلرز نیوز ایجنٹ۔ ڈیرہ اسمٰعیل خاں

اللہ بخش صاحب نیوز ایجنٹ
ڈیرہ غازی خاں

مکتبہ جمہور
گھنٹہ گھر۔ سکھر

محمد ابراہیم صاحب
منیجر ہمدرد دواخانہ۔ بازار کلاں۔ جہلم

محمد نواز خاں صاحب لودھی
مقبول بک اسٹال۔ لوہاری گیٹ۔ ملتان سٹی

میسرز صادق کمیشن ایجنسی
نیوز پیپرز اینڈ میگزین ڈیلرز
صدر بازار۔ نوشہرہ

چودھری محمد علی، میاں محمد ظہور الحق صاحبان
قصر الاخبار۔ بالمقابل ٹاؤن ہال
دہاڑی

منشا صاحب
نیوز ایجنٹ اینڈ بکسیلرز
ریلوے روڈ۔ رحیم یار خاں

عبدالحمید صاحب
رشید اسٹیشنری مارٹ۔ کچہری روڈ
کیمبل پور

سید مسعود احمد صاحب بکسیلر اینڈ نیوز ایجنٹ
اسٹاکسٹ ہمدرد پروڈکشن۔ رانی بازار۔ گھوڑا مارا
راج شاہی (مشرقی پاکستان)

انجم صاحب اجمیری
اے۔ آر۔ فرینڈ اینڈ کو
مارکیٹ روڈ۔ حیدر آباد

آزاد بک ڈپو
شاہی بازار۔ جیکب آباد

علمستان۔ بہاولپور

گرچیخ ایجنسیز
الفنسٹن اسٹریٹ۔ صدر۔ کراچی

پاک امریکن کمرشیل انک
الفنسٹن اسٹریٹ۔ صدر۔ کراچی

اچھی صحت اور اچھی قسمت کی بنیاد بچپن ہی میں رکھی جاتی ہے
اپنے بچے کو غذا کی کمی اور موسمی علالتوں کا شکار نہ ہونے دیجئے۔

"نونہال" وہ صحت بخش کسیر ہے جو آپکے بچے کے قوّے کو مضبوط کرتا ہے اس کے بڑھنے اور پنپنے میں مددگار ہے اور اس کی آئندہ ترقی کا ضامن ہے۔ اس میں وہ تمام قدرتی اجزا موجود ہیں جن کی بچوں کے جسم اور دماغ کو ضرورت ہوتی ہے۔

بچوں کی صحت کا محافظ
نونہال
ہمدرد

دانتوں کی تکلیف کا
ایک عِلاج
مگر بہتر ہے
ہمدرد منجن
اِستعمال کریں
ہمدرد (پاکستان)
کراچی ــــ ڈھاکہ ــــ لاہور

میری رائے

ایک ماں کی حیثیت سے

میرے خیال میں بچوں کی بیماریوں کا بڑا سبب یہ ہے کہ ان کو اچھی اور کافی غذا نہیں پہنچتی۔ ان کی روک تھام کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ مناسب ٹانک شروع کرا دیا جائے۔ میرا تجربہ ہے کہ جن بچوں کو "نونہال گرائپ مکسچر" یا "نونہال بے بی ٹانک" دیا جائے وہ سب تکلیفوں سے محفوظ رہتے ہیں اور دانت نکلنے کا زمانہ ہنستے کھیلتے گذار دیتے ہیں۔

یہ خاتون ڈاکٹر تو نہیں، لیکن اپنے بچے کے بُرے بھلے کو سمجھنے کا فطری شعور ضرور رکھتی ہیں۔ ان کی طرح بہت سی اور ماؤں نے بھی "نونہال گرائپ مکسچر" کو آزمایا اور بچوں کے حق میں اکسیر پایا۔

"نونہال بے بی ٹانک" جس میں تمام ضروری حیاتین (وٹامین) شامل ہیں تاثیر اور فائدہ کے لحاظ سے بے مثل ہے۔ یہ جسم کو بڑھاتا اور مضبوط بناتا ہے، بیماریوں کو رفع کرتا ہے اور پورے جسمانی نظام کو درست کر دیتا ہے۔

بچوں کی صحت کا محافظ

نونہال

ہر موسم میں استعمال کیا جا سکتا ہے

ہمدرد

بے بی ٹانک

سرخ رنگ کے ڈبے میں بکتا ہے

ضروری حیاتین (وٹامنز) شامل کرنے سے نونہال بے بی ٹانک اب بچوں کیلئے زیادہ مفید بلکہ لازمی ہو گیا ہے۔ یہ مندرجہ ذیل امراض میں کام آتا ہے:۔ عام جسمانی کمزوری، سوکھا (دق اطفال)، ہڈیوں کا نرم اور ٹیڑھا ہو جانا، مسوڑھوں کی سوجن، مرض کے بعد کی کمزوری، کمزوری جلد، جوڑ...